مکمل ناول

نبیلہ ابر راجہ

میں گماں نہیں یقین ہوں

تیسری قسط 3

زیان ان کی اگلی کوئی بات سنے بغیر اٹھ کر آ گئی۔ ویسے بھی وہ زرینہ بیگم کے سامنے آنے سے احتراز ہی کرتی تھی۔ اس کی کوشش ہوتی وہ بات بھی کم سے کم کرے۔ پھر بھی زرینہ بیگم کو اس کے وجود سے تکلیف ہی ہوتی۔

زرینہ نے بھڑ! دروازہ مکمل طور پہ بند کیا اور پھر سے امیر علی کے پاس اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔ ان کا انداز انتہائی رازدارانہ اور چوکنا تھا۔ امیر علی بھی انہیں غور سے دیکھنے لگے۔

"آپ نے لڑکا اور اس کی فیملی دیکھی کیسے لگے آپ کو؟" وہ آہستہ آواز میں دلچسپی سے پوچھ رہی تھیں۔ جیسے کسی کے سن لیے جانے کا ڈر ہو۔

"پہلی ملاقات میں ہی کسی کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی بتایا جا سکتا ہے کہ کوئی کیسا ہے۔" امیر علی نے خاصے محتاط الفاظ کا سہارا لیا تھا پر زرینہ کو پھر بھی ان کی بات یا رائے پسند نہیں آئی۔

"میں نے تو صرف یہ پوچھا ہے کہ کمال کے گھر والے آپ کو کیسے لگے رہی بات اچھائی برائی کی تو بیگم اختر نے ان کی بہت تعریفیں کی ہیں۔ کمال اعلا تعلیم یافتہ ہے کھاتے پیتے خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت شریف لڑکا ہے۔ بظاہر کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ بے غرض اور بے لوث عادات کا مالک ہے۔ پہلے اپنی تین بہنوں کی شادیاں کیں اور صبر سے اپنی باری کا انتظار کیا۔ بہت سی لڑکیوں کے والدین نے خود اپنے منہ سے کمال کے رشتے کا کہا' پر وہ ایسا سعادت مند کہ کہا مجھے اپنے والدین کی پسند پہ اعتبار ہے' جسے وہ میرے لیے چنیں' میں اسی سے شادی کروں گا۔

کمال کے گھر والوں کو ہماری زیان بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ ان کی باتوں سے بار بار اظہار ہو رہا تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ اتنا اچھا لڑکا ہاتھ سے نکل جائے۔" زرینہ نے مجازی خدا کو متاثر کرنے اور کمال کے لیے ہموار کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

"زیان پڑھ رہی ہے' وہ ابھی بیس سال کی بھی پوری نہیں ہوئی ہے اور کمال لڑکا نہیں پورا مرد ہے۔ مجھے اس کے گھر والے بھی پسند نہیں آئے۔ عجیب شو آف سطحی محسوس ہوئے ہیں مجھے۔ ایسے زیان کا رشتہ دے دوں انہیں۔" امیر علی نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف انکار کر دیا۔ زرینہ کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

"ٹھیک ہے کمال کی عمر تھوڑی زیادہ ہے پر اتنی بھی زیادہ نہیں ہے۔ اٹھائیس سال کا ہے صرف۔" انہوں نے مبالغے کی انتہا ہی تو کر دی۔ "اس کی بڑی بہن بتا رہی تھی کہ محنت کر کر کے اور پڑھائی میں جان ماری کی وجہ سے کمال زیادہ عمر کا لگنے لگا ہے۔ ورنہ اٹھائیس سال کوئی ایسی بھی زیادہ عمر نہیں ہے۔ آپ بھی تو مجھ سے چھ سال بڑے ہیں۔ میرے ماں' باپ نے تو آپ کی عمر اور ساتھ پہلی بیوی کی بیٹی پہ بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ آپ نے زیان کو ساری عمر گھر بٹھا کر رکھنا ہے کیا؟ اس کی شادی ہو گی رابیل اور منائل کی باری آئے گی نا۔" شروع میں زرینہ بہت غصے میں

تھیں۔ لیکن آخر میں مصلحت کے تحت نرم پڑ گئیں۔

"رابعہ اور منال ابھی بہت چھوٹی ہیں، جس طرح زیان میری بیٹی ہے۔ اس طرح وہ بھی میری ہی اولاد ہیں۔ میں ان کے بارے میں بھی سوچتا ہوں۔ وقت آنے پہ سب کام ہو جائیں گے۔ تم خوامخواہ ہلکان مت کیا کرو خود کو۔"

"کیسے ہلکان نہ کروں میں خود کو۔ آپ بیمار رہتے ہیں گھڑی بھر کا پتا نہیں ہے۔ میں نے ہر مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا ہے۔ دکھ سکھ کے سب موسم آپ کے ساتھ کاٹے۔ کبھی کوئی شکوہ و شکایت نہیں کی۔ میں زیان کی دشمن تھوڑی ہوں۔ اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ وہ آپ کے جیتے جی اپنے گھر کی ہو جائے۔ آپ اسے بہت پیار کرتے ہیں۔ لاڈلی ہے وہ آپ کی۔ میں سب جانتی ہوں، تب ہی تو بیگم اختر کو کہلوا کر کمال کو پہلی ملاقات میں ہی آپ سے ملوانے کے لیے گھر بلوایا۔ میں چاہتی ہوں زیان قدردان سسرال میں جائے۔ پہلی بار ہی

کمال کے گھر والے اس پہ واری صدقے ہو رہے تھے۔ اچھے لوگ ہیں۔ ذیان عیش کرے گی۔ کمال عمر میں ذیان سے تھوڑا بڑا ہے، پر یہ کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس کو وجہ بنا کر رشتہ ٹھکرا دیا جائے۔ زیادہ عمر کے شوہر بیوی کو خوش رکھتے ہیں۔ آپ نہیں چاہتے تو میں انکار کہلوا دوں گی کمال کے گھر والوں کو۔"

امیر علی ان کی باتوں اور دلائل سے قائل ہوتے جا رہے تھے، تب ہی تو زرینہ نے انداز بدلا تھا۔ پھر اس کے بعد وہی ہوا جو زرینہ بیگم چاہ رہی تھیں۔ امیر علی یک دم نرم پڑ گئے۔

"ٹھیک ہے، تم لڑکے کے گھر جاؤ، اسے دیکھو، رہن سہن کا جائزہ لو، چھان بین کراؤ، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔" امیر علی نے صاف رضامندی تو نہیں دی تھی، پر انکار بھی نہیں کیا تھا۔ زرینہ بہت مسرور تھیں۔ ان کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ باقی کے مراحل آسان تھے۔ امیر علی کی حیثیت ویسے بھی کمزور ہو گئی تھی۔ انہوں نے بیماری کے دوران تمام جائیداد کا وارث زرینہ بیگم کو بنا دیا تھا۔ اس وقت حالات کا تقاضا ہی یہی تھا۔ زرینہ آسانی سے مختار کل بن گئی تھیں۔ وہ خوش تھے کہ ان کی شوہر پرست شریک سفر ذیان کا حق نہیں مارے گی۔ وہ ماں کی طرح ہی سوچے گی، پر زرینہ کی نیت بدل چکی تھی۔ ان کی پہلی کوشش یہ ہی تھی۔ ذیان کی جلد از جلد شادی ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ کسی کمزور لمحے میں امیر علی کی محبت جاگ پڑے اور وہ پھر سے وکیل کو بلوا کے وصیت تبدیل کروا دیں۔ ذیان جب تک یہاں تھی اس کا امکان سو فیصد تھا۔ اس کی شادی کے بعد یہ خطرہ بھی ٹل جاتا اور بعد میں اگر امیر علی وصیت میں تبدیلی کا بولتے تو کون سا انہوں نے انہیں یہ کام کرنے دینا تھا۔ ایک مفلوج معذور انسان کی کسی صحت مند ہاتھ پاؤں والے کے سامنے کہاں چلتی ہے۔ امیر علی کو رام کرنے کے بہت سے طریقے تھے اور وہ ان کے دلائل سے قائل ہو بھی جاتے تھے۔

"ہاں ٹھیک ہے، میں روبینہ آپا کو ساتھ لے کر بہت جلد خود کمال کے گھر جاؤں گی۔ ہر چیز دیکھ بھال کر پرکھ کر خود بتاؤں گی آپ کو۔ اگر مجھے کہیں ذرا سی بھی گڑبڑ لگی تو آپ سے پہلے میں خود انکار کروں گی۔"

"تم کتنی اچھی ہو زرینہ۔ میں سوچتا ہوں تم میری زندگی میں نہ ہوتیں تو میری زندگی کتنی مشکل ہوتی۔" وہ تہ دل سے ان کے شکر گزار احسان مند تھے۔

"ارے آپ ایسی باتیں نہ کریں۔" زرینہ دل میں بہت خوش تھیں۔

"تم ٹھیک کہتی ہو ذیان کی شادی ہو جانی چاہیے۔" اس بار وہ تلملا کر رہ گئیں، کیونکہ امیر علی کے لہجہ اور آنکھوں میں ذیان کے لیے فکر مندی تھی۔

پر وہ وقت جذبات کے اظہار کے لیے مناسب نہیں تھا۔ انہیں کمال کے رشتے کے لیے راہ ہموار کرنی تھی۔ امیر علی سے زیادہ مشکل کام ذیان کو منانے کا تھا۔ وہ ننگی تلوار تھی، کسی وقت کچھ بھی کر سکتی تھی۔ پھر وہاب اس کے حصول کے لیے ہر راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار تھا۔ وہاب کے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے انہیں ذیان کی شادی کرنی تھی۔

✵ ✵ ✵

ذیان نے مٹھی میں تھامے نوٹ گنے بغیر ٹیبل پہ پھینکے۔ جس مقصد کے لیے اسے یہ روپے دیے گئے تھے۔ وہ اس وقت اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔ مگر دماغ تھا کہ گھما پھرا کے ادھر ہی لیے جا رہا تھا۔ زرینہ آنٹی نے اسے ابو کے پاس سے اٹھا دیا تھا۔ یقیناً" انہوں نے آج آنے والے مہمانوں، بلکہ خاص الخاص مہمانوں کے بارے میں ہی ان سے بات کرنی تھی۔ خوشی سے زرینہ آنٹی کا چہرہ چمک رہا تھا۔ جیسے آج ہی میدان مار کے رہیں گی۔ ذیان مضطرب تھی۔ بوا رحمت کی ڈھکی چھپی نصیحتیں، زرینہ بیگم کی خوشی، امیر علی کی لاتعلقی و بے نیازی آنے والے مہمانوں کی دلچسپی اس کی پریشانی کو بڑھا رہی تھی۔

شادی کے بارے میں وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یہ اس کا ٹارگٹ یا مقصد نہیں تھا۔ پھر کیوں

زرینہ بیگم اس کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ وہ خوش ہے، پرسکون ہے، اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن زرینہ بیگم اس کی ہر خوشی چھیننے کے درپے ہیں۔

مرد کی ضرورت اگر زندگی کا خاصہ و لازمہ ٹھہرتی ہے تو اس کے سامنے مرد کا روپ باپ کی صورت میں موجود تھا۔ پر باپ کے ہوتے ہوئے بھی اس نے خود کو اکیلا، کمزور اور بے بس ہی تصور کیا تھا۔ ماں کے حوالے سے طعنے ہی سنے تھے۔ حقارت ہی سمیٹی تھی۔ اس نے سب حقارت، ذلت، بے بسی اکیلے ہی برداشت کی تھی۔

امیر علی نے تو اسے کبھی بھی زرینہ بیگم کی نفرت سے نہیں بچایا، نہ اس کی مدد کو آئے۔ اب وہاب جو اس کے بارے میں انتہائی حد تک جاکر سوچ رہا ہے، تب بھی تو وہ اکیلے ہی سہ رہی ہے نا۔ پھر وہ کیوں زرینہ بیگم کے سامنے جھکے، سرینڈر کرے۔ وہ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتیں۔ باقی جو وہ چاہے کریں، پر وہ کوئی تر نوالہ نہیں ہے۔ اتنی آسانی سے تو کسی صورت بھی ہار نہیں مانے گی۔ ناکوں چنے چبوا دے گی۔ امیر علی اپنی بیگم کے سامنے بے بس ہوں گے۔ وہ بالکل بھی نہیں، اور وہ انہیں ایسا کرکے دکھائے گی۔

زیان کے لبوں پہ زہر میں ڈوبا تبسم رقصاں تھا۔ زرینہ بیگم اگر اس وقت اس کے چہرے کو دیکھ لیتیں تو ایک ثانیے کے لیے ڈرتیں ضرور کہ زیان نے ہار نہ ماننے کا تہیہ کرلیا تھا اور یہ تو وہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ زیان ضد میں اپنی منواتی ہے۔ بے شک وہ ان سے خائف تھی، دبتی تھی، پر اس کے سرکش خیالات بدلے نہیں جاسکتے تھے۔

☆ ☆ ☆
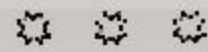
زرینہ، روبینہ آپا سے فون پہ بات کررہی تھیں۔ موضوع گفتگو کمال اور اس کی فیملی ہی تھی۔

"کیسے ہیں لڑکے والے؟" روبینہ نے سوال کیا۔

"مجھے تو سب بہت اچھے لگے ہیں۔"

"اور امیر بھائی کیا کہتے ہیں؟"

"مجھے تو لڑکا بہت پسند آیا ہے، پھر آپ کے بھائی صاحب کہتے ہیں کہ اچھی طرح چھان بین کرواکے بات آگے بڑھائی جائے۔ انہیں کمال کی عمر پہ بھی اعتراض ہے۔ اپنی بٹی ننھی، چوزی لگ رہی ہے، پر زیان ایسی بچی تو نہیں ہے کہ شادی جیسی ذمہ داری بھی نہ اٹھاسکے۔"

زرینہ نے جتاتے ہوئے جیسے ناک بھوں چڑھائی تھی۔ روبینہ نے متفق ہونے میں دیر نہیں لگائی۔

"ویسے بھی لڑکیاں جلدی سیانی ہوجاتی ہیں۔"

"آپا آپ کو اگلے ہفتے میرے ساتھ کمال کے گھر چلنا ہے۔ میں نے اسی لیے آپ کو فون کیا تھا۔"

زرینہ نے باتوں باتوں کے دوران اچانک انہیں بتایا تو وہ پریشان سی ہوگئیں۔ "کس دن جانا ہے؟"

"آپا آپ فکر مت کریں، جب وہاب آفس میں ہوگا ہم تب چلیں گے۔ آپ کے بھائی نے فضول کی رٹ لگادی ہے کہ لڑکے کے گھر جاؤ، سب سے ملو، جائزہ لو۔" زرینہ ان کی پریشانی کی وجہ جانتی تھیں۔ تب ہی تو فوراً تسلی دی۔

"تم جانے سے ایک دن پہلے مجھے بتادینا۔"

"ہاں میں بتادوں گی۔" روبینہ غائب دماغی سے سر ہلانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

راعنہ، رات سے مایوں بیٹھ رہی تھی۔ ٹھیک سات دن بعد اس کی بارات آنی تھی۔ وہ سب چنڈال چوکڑی بہت خوش اور پرجوش تھی۔ کومل اور رنم نے روایتی انداز کے سوٹ سلوائے تھے۔ کومل تو خاص طور پر پرجوش تھی۔ اس کی تیاریاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ پراندے کو اس نے سو سو بار کندھے کے آگے پیچھے ڈال کے دیکھا۔ جبکہ اس کے برعکس رنم ہمیشہ کی طرح پراعتماد تھی۔ سبز چوڑی دار پاجامے، پیلی شرٹ، ہم رنگ دوپٹا اوڑھے وہ بڑا مشرقی اور الگ سا تاثر پیش کررہی تھی۔ بالوں میں پراندہ اور موتیے کے

گجرے دیکھ کر فراز اور اشعر نے بے اختیار ہی "واؤ" کہا۔ اس کی آنکھوں میں اعتماد کا رنگ کچھ اور بھی گہرا ہو گیا۔

جوان لڑکیوں کے نقرئی قہقہے شور' ہنگامہ' موج مستی' ماحول پہ چھائے خوب صورتی کے رنگوں کو اور بھی بڑھا رہے تھے۔ ڈھولک کومل کے قبضے میں تھی۔ راعنہ کی کزن کے ساتھ مل کر اس نے شادی بیاہ کے گانوں کی خوب ہی ٹانگ توڑی۔ راعنہ ان سب کے درمیان بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

رنم ہنگامے' شور شرابے سے تھک ہار کر راعنہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ راعنہ نے سر سے ڈھلکتا آنچل ٹھیک کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے' تم سب کے ساتھ انجوائے کیوں نہیں کر رہی ہو؟"

"میرا دل چاہ رہا ہے تمہارے پاس بیٹھوں' باتیں کروں' تمہاری شادی ہو جائے گی تو کہاں ہاتھ آؤ گی۔" رنم مسکراتے ہوئے شگفتہ انداز میں بولی۔

"شادی کے بعد میں نے شہریار کے گھر ہی جانا ہے اور تو کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم جب چاہو آ سکتی ہو۔" راعنہ مسکرائی۔ رنم نے ایک نظر ڈھولک بجاتی لڑکیوں پہ ڈالی۔ ان میں کومل سب سے پیش پیش تھی۔ اسے ہنسی آ گئی۔ راعنہ بھی مسکرا رہی تھی۔ کومل ایسی ہی تھی' زندگی کے ہر پل سے خوشی کشید کرنے والی' شرارتی' ہنسوڑ جذباتی۔

چند لمحے ڈھولک بجاتی کومل کو دیکھنے کے بعد رنم پھر سے راعنہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "تم نے برائیڈل لے لیا؟ شو روم والے نے کل کی ڈیٹ دی تھی۔" اسے اچانک یاد آیا۔ "نہیں۔" راعنہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "شہریار نے منع کر دیا ہے۔"

"کیوں' کس وجہ سے؟" وہ حیران ہو کے بولی۔

"فنکشن ختم ہو جائے تو بتاؤں گی۔ ویسے شہریار کے گھر والے میرا برائیڈل اور دیگر سب چیزیں لے آئے ہیں۔ ادھر سے فارغ ہو کر دکھاؤں گی۔" راعنہ کی بات پہ وہ سر ہلانے لگی۔ راعنہ نے تقریب ختم ہونے کے بعد کچھ بتانے کا بولا تھا۔ رنم کو شدت سے انتظار تھا کہ کب فنکشن ختم ہوتا ہے۔

رات کے آخری پہر جاری ہنگامہ ختم ہوا تو ان سب کی آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔ راعنہ کے کمرے میں ہی رنم اور کومل کا بسیرا تھا۔ وہ تو آتے ہی بیڈ پہ ڈھیر ہو گئی۔ پر رنم کو راعنہ کا کچھ گھنٹے پہلے والا پراسرار انداز ہضم نہیں ہوا تھا۔ تب ہی تو اس نے فوراً" یاد دہانی کرائی۔ "تم نے مجھے کچھ بتانا تھا راعنہ؟"

"اوہ ہاں...." وہ فوراً" بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اتنے میں اس کی گھریلو ملازمہ کافی کے تین مگ ٹرے میں رکھے ان کے لیے لائی۔ رنم نے تو بے تابی سے اپنا مگ اٹھایا۔ راعنہ ملازمہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد راعنہ نے اپنا مگ اٹھایا۔

"برائیڈل اور جیولری سب مما کے روم میں ہے۔ میں نے ملازمہ کو لانے کے لیے بھیجا ہے۔" وہ رنم کو بتا رہی تھی۔

"کیسا برائیڈل اور جیولری؟" کومل نے حیرانی سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ اسے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی' ملازمہ شاپرز اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ادھر سامنے ٹیبل پہ رکھ دو۔" راعنہ نے اشارہ کیا تو اس نے ٹیبل سے باقی سب سامان اٹھا کر تمام شاپرز وہاں رکھ دیے۔

راعنہ نے شاپرز کھول کر سب سامان باہر نکالا۔ کومل حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال مچل رہے تھے۔

"یہ ہے میرا برائیڈل جو شہریار نے خود لیا ہے۔" راعنہ نے ایک عام سا عروسی سوٹ دیکھنے کے لیے ان کی طرف بڑھایا۔

"یہ تمہارا برائیڈل ہے اتنا عام سا۔" کومل کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ راعنہ کا شادی کا جوڑا اتنا کم قیمت بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ٹھیک کہ راعنہ کے سسرالی اسٹیٹس میں راعنہ کے بابا کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ پر ان کی حالت ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی کہ وہ اپنی بہو کے

لیے شان دار سا برائیڈل نہ بنا سکتے۔ رنم کی آنکھوں میں بھی وہی کومل والا سوال تھا۔

"یہ برائیڈل شہریار نے خالصتاً" اپنی کمائی سے خریدا ہے۔ اتنا کم قیمت بھی نہیں ہے' پورے تیس ہزار کا ہے۔ حالانکہ پاپا نے جیولری' برائیڈل' سینڈلز ہر چیز کا آرڈر کردیا تھا' پر شہریار نے منع کردیا۔ انہوں نے پاپا کو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ نہ جہیز لیں گے' نہ اپنے سسرال والوں کی کوئی مدد لیں گے اور تو اور شہریار نے اپنے گھر والوں کو بھی منع کردیا ہے کہ وہ میرے لیے کچھ مت لیں۔ شہریار نے میرے لیے سب کچھ خود اپنی کمائی سے لیا ہے۔" راعنہ کے لہجہ میں بے پناہ فخر اور غرور تھا۔

شہریار کی خریدی گئی کم قیمت چیزیں ان چیزوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں جو وہ اپنے پاپا کے گھر میں استعمال کرتی رہی تھی۔ "کوائیٹ امیزنگ راعنہ" رنم حیرانی کے حصار سے باہر آئی۔

"شہریار نے پاپا سے بولا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ خود سب کچھ بنائیں گے۔ فی الحال ان کے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں قبول کرنا ہوگا۔ انہوں نے ولیمہ کا جوڑا بھی خود خریدا ہے۔" وہ ایک کے بعد ایک ناقابل یقین خبر سنا رہی تھی۔

"اور تمہارے پاپا نے شادی پہ جو لگژری فلیٹ تمہیں گفٹ کرنا تھا اس کا کیا بنا؟" رنم کو اچانک یاد آیا۔

"شہریار نے منع کردیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تم پاپا سے کچھ مت لینا۔ میرے پاس جو ہے تم اسی میں گزارا کروگی۔ وہ بہت خوددار ہیں رنم۔" راعنہ کی آواز میں ایک خاص قسم کا فخر اور غرور تھا۔

"تم کو کوئی اعتراض نہیں ہے؟" کومل نے سوال کیا۔

"نہیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' بلکہ میں تو بہت خوش ہوں کہ شہریار اتنے خوددار ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو خوشی خوشی ان سب چیزوں سمیت مجھے قبول کرتا' لیکن شہریار کو اپنی محنت پہ بھروسا ہے۔ وہ سسرال کے بل بوتے پہ ترقی کرنا' آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔"

"تم گزارا کروگی؟" رنم نے سوال کیا۔

"ہاں میں شہریار کے ساتھ ہر قسم کے حالات میں گزارا کرلوں گی' کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔" راعنہ کے چہرے پہ دلکش مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

رنم بے پناہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ سب اس کے لیے بہت انوکھا اور حیران کن تھا۔ راعنہ جیسی آسائشوں میں پلی بڑھی لڑکی محبت کے بل بوتے پہ اپنے شوہر کے ساتھ ہر حال میں رہنے کا عزم کرچکی تھی۔ وہ شہریار کی طرف سے آئے عام سے عروسی سوٹ اور زیورات کے باوجود خوش تھی اور شہریار جیسے خوددار کردار تو صرف کہانیوں' فلموں اور ڈراموں میں ہی نظر آتے ہیں جو گھر آئی لکشمی کو ٹھکرا دیتے ہیں' جو اپنے زور بازو پہ بھروسا کرتے ہیں۔ ساری رات رنم کو نیند ہی نہیں آئی۔ وہ شہریار اور راعنہ کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔

☼ ☼ ☼

زرینہ تیار ہو کر روبینہ آپا کے گھر آگئی تھیں۔ وہاب حسب معمول اپنے آفس میں تھا۔ زرینہ نے اس کی عدم موجودگی سے اطمینان سا محسوس کیا۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں کچھ چھپانا دشوار تھا۔ ایک دفعہ زویان کے ساتھ کمال کا رشتہ طے ہوجاتا' پھر بعد کی بعد میں دیکھی جاتی۔ فی الحال زرینہ وہاب کے تیور اور دھمکی دونوں سے خائف تھیں۔

"آپا جلدی کریں نا۔" وہ بڑے صبر سے روبینہ آپا کو بالوں میں برش کرتا دیکھ رہی تھیں۔ انہیں کمال احمد کے گھر جانے کی جلدی تھی۔ وہ اسی مقصد کے لیے روبینہ آپا کی طرف آئی تھیں۔ کل رات بطور خاص انہیں فون پہ یاد دہانی کروائی تھی کہ میرے آنے سے پہلے تیار رہیے گا۔ ابھی آنے سے پہلے بھی انہوں نے آپا کو فون کیا تھا کہ میں گھر سے نکل رہی ہوں۔ یہاں

پہنچی تو وہ اطمینان سے بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھیں۔ ان کے شور مچانے پہ انہوں نے کپڑے بدلے۔ بال بنانے کے بعد انہوں نے پورے آرام سکون کے ساتھ چادر اوڑھی' پرس اٹھایا اور آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔ "چلیں" روبینہ' زرینہ کی طرف مڑیں جو اضطراب کے عالم میں تھیں۔ "ہاں آپا چلیں' پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔" زرینہ پہ عجلت سوار تھی۔

کمال کے گھر ان کا استقبال سب سے پہلے گیٹ پہ متعین چوکیدار نے کیا۔ زرینہ اندر آکر جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ گھر پرانے وقتوں کا تعمیر شدہ تھا۔ اس لیے اس میں جدیدیت مفقود ہی تھی۔ کمال کی والدہ عفت خانم انہیں دیکھ کر پریشان اور ہراساں سی نظر آئیں۔ حالانکہ زرینہ نے دو دن پہلے ہی اپنے آنے کی اطلاع کر دی تھی۔

انہوں نے خیر مقدمی چہرے پہ سجاتے ہوئے حال احوال پوچھنے کے بعد دونوں بہنوں کو ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا۔ یہاں جگہ جگہ بے ترتیبی نظر آرہی تھی۔ شاید صفائی کرنے والی نہیں آئی تھی۔ زرینہ نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا' جو بعد میں درست بھی ثابت ہوا۔ عفت خانم شرمندہ انداز میں بتا رہی تھیں کہ صفائی کرنے والی پورے ہفتے سے غائب ہے۔

"تب ہی گھر کا یہ حال ہے۔" زرینہ نے دل میں کہا۔ عفت خانم گزشتہ چالیس منٹ سے اپنے دکھڑے رو رہی تھیں۔ اس دوران انہوں نے ایک بار مروتاً" بھی دونوں بہنوں سے چائے پانی کا نہیں پوچھا۔ بہت دیر بعد جب روبینہ نے بے زار ہو کر زرینہ کو آنکھوں آنکھوں میں اٹھنے کا اشارہ کیا تو تب عفت خانم کو مہمانوں کی خاطر مدارات کا خیال آیا۔

"در اصل میں ہماری کھانا بنانے والی پچھلے ہفتے سے اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے۔ کھانا بنا کر وہ فریج میں رکھ گئی تھی۔ کمال اور میں گرم کر کے کھا لیتے ہیں۔ روٹی کمال ہوٹل سے لے آتا ہے۔ میں صرف چائے ہی مشکل سے بنا پاتی ہوں۔ جوڑوں کے درد نے لاچار کر دیا ہے' کچھ بھی نہیں ہوتا مجھ سے۔ لیکن آپ دونوں تو خاص الخاص ہیں ہمارے لیے۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

عفت خانم وضاحت دینے کے بعد باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

روبینہ کی نگاہ پورے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہی تھی۔ سامنے رنگ اتری دیوار پہ ایک تصویر فریم میں ٹنگی تھی۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بہن کی طرف دیکھا' جیسے پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ یہ کس کی ہے۔ زرینہ نے فوراً" ان کا سوال سمجھ لیا۔

"یہ کمال کی فوٹو ہے' عفت خانم کا بیٹا تین بہنوں کا اکلوتا بھائی' جس کا رشتہ زیان کے لیے آیا ہے۔" روبینہ سر ہلا کر رہ گئیں۔ وہ معنی خیز نگاہوں سے زرینہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہیں عفت خانم' گھر اور کمال کی فوٹو کچھ بھی پسند نہ آیا تھا۔ بندہ مہمانوں کا ہی خیال کر لیتا ہے۔ پورے ایک گھنٹے بعد عفت خانم کو چائے پانی کا خیال آیا تھا۔ روبینہ اٹھنا چاہ رہی تھیں۔ پر زرینہ نے ہاتھ پکڑ کر اس عمل سے باز رکھا۔

وہ کون سا یہاں خوشی سے بیٹھی تھیں۔ رشتے کا خیال نہ ہوتا تو کب کی یہاں سے جا چکی ہوتیں۔ فطرتاً" وہ صفائی پسند اور سلیقہ مند عورت تھیں۔ یہاں جگہ جگہ گرد' مٹی' دھول اور بے ترتیبی دیکھ کر ان کی نفاست پسند طبیعت خراب ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اسی وجہ سے عفت خانم کی بنائی چائے کے چند گھونٹ زبردستی پیے۔ کالی' بدرنگ' بدذائقہ چائے تھی ساتھ باسی فروٹ کیک۔ حالانکہ زرینہ آتے ہوئے ان کے گھر کیک' مٹھائی اور کافی سارا موسمی فروٹ بھی لائی تھیں۔ عفت کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ان میں سے ہی کچھ مہمانوں کے آگے رکھ دیتیں۔

چائے پی کر عفت خانم کے لاکھ روکنے کے باوجود دونوں وہاں سے اٹھ آئیں۔ باہر نکل کر سکون کا سانس لیا۔ جیسے جیل سے رہائی ملی ہو۔ عفت خانم کے گھر عجیب سی بساند پھیلی ہوئی تھی جو وہاں بیٹھے مسلسل محسوس ہوتی رہی' پھر زرینہ نے ایک بار بھی اظہار نہیں کیا۔ انہیں گھٹیا سی خوشی ہو رہی تھی۔ زیان کو کمال کے گھر میں جو جو مسائل پیش آنے تھے اس کا

اندازہ زرینہ کو قبل از وقت ہی ہو گیا تھا۔ زیان کا سارا غرور، نخرہ، اکڑ دھری کی دھری رہ جانے والی تھی۔ امیر علی اپنے باپ کے گھر میں اس نے بہت عیش کر لیے تھے۔ اب عفت خانم کے گھر بھگتنے کی باری اس کی تھی۔ زرینہ بہت مسرور تھیں۔

☼ ☼ ☼

زرینہ، امیر علی کے بیڈ کے پاس کرسی رکھے اس پہ بیٹھی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔

"میں دیکھ آئی ہوں آپا روبینہ کے ساتھ کمال کا گھر!" اتنا بول کر وہ چپ ہو گئیں۔ وہ دراصل ان کی تجسس کو ابھارنا چاہ رہی تھیں۔ امیر علی خاموشی سے ان کے اگلے جملے کا انتظار کر رہے تھے۔ سو زرینہ خود ہی پھر سے شروع ہو گئیں۔

"اتنے بڑے گھر میں صرف عفت خانم تھیں کمال آفس میں تھا۔ انہوں نے اتنے اچھے طریقے سے خاطر مدارات کی کہ دل خوش ہو گیا ہے۔ زیان وہاں راج کرے گی راج۔ نہ کوئی روک نہ ٹوک سب اپنی مرضی سے کرے گی۔ میں تو کہتی ہوں کہ اب کوئی چھوٹی موٹی سی رسم ہی کریں اور ساتھ ہی شادی کی تیاری کریں۔"

"تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟" ان کی اتنی باتوں کے جواب میں انہوں نے مختصر سوال کیا پر زرینہ تیار تھیں۔

"کمال بہت اچھا لڑکا ہے، انہیں شادی کی جلدی ہے، ایسا نہ ہو یہاں سے مایوس ہو کر وہ کسی اور طرف کا رخ کریں اور زیان بیٹھی رہ جائے۔" آخری جملے پہ امیر علی نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

"میری بیٹی میں کوئی عیب یا کردار میں خرابی نہیں ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے وہ۔ بہت اچھا مقدر ہو گا اس کا۔ اللہ نہ کرے وہ بیٹھی رہے۔" امیر علی اچانک تلخ ہو گئے۔ زرینہ وقتی طور پہ خاموش ہو گئیں پر امیر علی کا رویہ حیران کن تھا۔ وہ جلدی زیان نامی بلا کو سر سے اتارنا چاہ رہی تھیں۔ اس میں اتنی ہی رکاوٹیں پیش آ رہی تھیں۔ ادھر امیر علی کی محبت جاگ اٹھی تھی۔

"میرا وہ مطلب نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" زرینہ نے فوراً "مصلحت کا لبادہ اوڑھتے ہوئے نرم لہجہ اختیار کیا۔ "زیان ماشاء اللہ خوب صورت ہے۔ تب ہی تو کمال جیسے نوجوان کا رشتہ آیا ہے۔" انہوں نے بمشکل خود کو "مرد" کہنے سے روکا۔

"زیان میں کوئی کمی یا عیب نہیں ہے۔ میں تو ہر وقت آپ کی صحت کی طرف سے پریشان رہتی ہوں۔ میں کہتی ہوں آپ جلدی اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" بوجھ کہتے کہتے زرینہ نے بروقت فرض بولا تھا۔ دل ہی دل میں خود کو داد بھی دی۔

"ہاں دیکھو کیا حکم میرے رب کا۔ وہ اچھی ہی کرے گا۔" امیر علی نے آنکھیں موند لی تھیں، جیسے اب مزید کوئی بات نہ کرنا چاہ رہے ہوں۔ زرینہ دل میں بہت غصہ آیا۔

☼ ☼ ☼

افشاں بیگم اور ملک جہانگیر دونوں لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ موسم بہت خوب صورت تھا۔ ملک جہانگیر نے بہت دن بعد لان میں بیٹھ کر چائے پینے کی فرمائش کی تھی۔

"ملک صاحب آپ اپنے دوست کے گھر دوبارہ کب جائیں گے۔ پہلے آپ بہت جلدی میں تھے۔" افشاں بیگم کے دل میں اس وقت اچانک یہ بات آئی تھی۔ انہوں نے قصہ چھیڑ کر ملک جہانگیر کی توجہ پھر سے اس زیرالتوا مسئلے کی طرف مبذول کروادی تھی۔

"ہاں جاؤں گا سیال کی طرف بھی۔ اس نے بولا تو تھا کہ پہلے اپنی بیٹی کی رائے لوں گا۔ اس کے بعد بتاؤں گا۔" چائے سپ کرتے ہوئے ملک جہانگیر نے اطمینان سے افشاں بیگم کو جواب دیا۔

"ویسے معاذ کی جگہ ایبک کی بات چلا کر آپ نے اچھا نہیں کیا ہے، ممکن ہے اس کے دل میں یہ بات

ہو' تب ہی تو میرا ایک خاموش سہارا بنے گا ہے۔" افشاں بیگم نے نازک سی بات کردی تھی۔

"میں ایک کا باپ ہوں' اس کی مرضی کے بغیر اس کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کیسے کرسکتا ہوں۔"

"آپ کی مہربانی ہوگی' ملک صاحب اگر آپ ایسا کریں تو۔۔۔" جواباً" وہ مسکرانے لگے۔ "تم فکر مت کرو۔"

"ٹھیک ہے ملک صاحب میں فکر نہیں کرتی پر معاذ کے بارے میں بھی سوچیں' وہ پردیس جاکر بیٹھ گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی گوری بغل میں داب کے لے آئے۔" ایک ماں کی حیثیت سے افشاں بیگم کی پریشانی فطری تھی۔

"معاذ کا بھی کرنا پڑے گا کچھ۔ سچ پوچھو تو احمد سیال کی بیٹی میں نے اس نالائق کے لیے ہی پسند کی تھی۔ وہ ناخلف مجھے مشورہ دے رہا تھا کہ پہلے بڑے بھائی کی شادی کردیں۔" ملک جہانگیر تھوڑے تلخ ہوگئے تھے۔ اس لیے افشاں بیگم نے فوراً" ہی ان سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کردیں۔

☼ ☼ ☼

راعنہ پارلر جانے کے لیے تیار تھی۔ ملازمہ اس کا عروسی لباس اور دیگر چیزیں رکھ رہی تھی۔ کومل اور رنم دونوں اس کے ساتھ جارہی تھیں۔ "تمہیں اپنا برائیڈل پسند ہے؟" گاڑی پارلر جانے والی سڑک پہ مڑ رہی تھی' جب کومل نے گھما پھرا کر تیسری بار یہ ہی سوال کیا۔

"ہاں مجھے بہت پسند ہے۔" وہ پورے اعتماد سے بولی۔

"تمہیں اس آرڈیزی ڈریس کو پہن کر آکورڈ فیل نہیں ہوگا؟" کومل نے اب ایک نئے زاویے سے سوال کیا۔

"کیوں آکورڈ فیل ہوگا ساری عمر اپنے پاپا کے دیے ہوئے پیسوں سے خریداری کی ہے' بے دردی سے رقم خرچ کی ہے۔ یہ شہوز نے اپنی کمائی سے خریدا ہے' مجھے فخر ہے اس پہ۔" راعنہ اس بار قدرے غصے سے بولی تو کومل جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی۔

دلہن بن کر راعنہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کا عروسی لباس اور جیولری اتنی قیمتی نہیں تھی پر ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی۔ شہریار کو جاب شروع کیے اتنا زیادہ ٹائم نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی حیثیت کے مطابق ہی سب کچھ لیا تھا۔ نہ تو اس نے اپنے والدین سے شادی جیسا معاشرتی فرض نبھانے کے لیے کوئی مالی مدد لی تھی اور نہ ہی راعنہ کے پاپا سے کچھ لینا گوارا کیا تھا۔ اسے اپنی محنت اور اللہ پہ بھروسا تھا۔ وہ اکثر نوجوانوں کی طرح شارٹ کٹ جیسے راستوں سے راتوں رات ترقی کی منازل طے کرنے والے خواب نہیں دیکھتا تھا۔ اس نے اللہ کا نام لے کر جاب کے ساتھ اپنا پارٹ ٹائم بزنس بھی شروع کردیا تھا۔ یہ اسی کی برکت تھی کہ اس نے راعنہ کے لیے شادی کی خریداری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا چھوٹا سا گھر بھی خرید لیا تھا۔

اسے جب راعنہ کے برابر لاکر بٹھایا گیا تو انجانے سے تفاخر سے اس کی گردن اور سر اوپر اٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے کی چمک بتا رہی تھی کہ راعنہ کے مقابلے میں اپنی حیثیت پہ شرمندہ نہیں ہے۔ اس کے پاس راعنہ کے پاپا جتنی دولت نہیں تھی' لیکن اس کے انداز اور شخصیت سے کسی بھی قسم کا احساس کمتری نہیں جھلک رہا تھا۔

رنم' راعنہ سے قدرے دور کھڑی اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔ اگر ایسا برائیڈل ڈریس اس کا ہوتا تو وہ اپنے مہمانوں کے بیچ کبھی نہ بیٹھتی۔ پر راعنہ کتنی مسرور تھی۔ رنم کے لیے تو یہ بات ہی حیران کن تھی کہ شہوز' راعنہ سے کم حیثیت ہونے کے باوجود سسرال سے کسی بھی قسم کی مدد نہیں لے رہا تھا۔ وہ چاہتا تو بہت آسانی سے سب کچھ حاصل کرسکتا تھا۔ کیونکہ راعنہ کے پاپا بیٹی کو گھر' گاڑی' بینک بیلنس' بیش قیمت فرنیچر' زیورات سب کچھ ہی تو دینا چاہ رہے تھے۔ پر شہریار نے سب کچھ لینے سے انکار کردیا تھا اور

راعنہ کو بھی سختی سے منع کیا تھا۔

رنم جلد از جلد گھر جا کر اپنے پاپا سے یہ خبر شیئر کرنا چاہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

روبینہ آپا آئی ہوئی تھیں۔ کمال اور عفت خانم کے گھر سے واپسی کے بعد آج زرینہ کے یہاں ان کا پہلا چکر تھا۔ اس کے بعد بہن سے ان کی بات ہی نہیں ہوئی۔ وہ معلوم کرنا چاہ رہی تھیں کہ کمال کے بارے میں امیر علی نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ ادھر ادھر کی باتوں کے دوران روبینہ نے اچانک بہن سے یہ سوال کرلیا۔

"امیر بھائی نے کیا فیصلہ کیا کمال کے رشتے کے بارے میں؟"

"ابھی تک تو اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا ہے۔ آپ کے بھائی کہتے ہیں کہ اتنی جلدی کاہے کی ہے۔"

وہ برا سامنہ بناتے ہوئی بولیں۔

"ویسے سچ پوچھو تو مجھے کمال کی ماں سے مل کر ذرا بھی کسی خلوص یا گرمجوشی کا احساس نہیں ہوا۔ پھر گھر کی حالت کیسی عجیب سی ہے۔ اوپر سے کمال کی جو فوٹو میں نے دیکھی، مجھے کمال بھی پسند نہیں آیا ہے۔ اتنی زیادہ عمر کا لگ رہا ہے۔ کم سے کم لڑکا زیان کے جوڑ کا ہو۔" روبینہ نے تو بڑے عام سے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ پر زرینہ بیگم کو بہت غصہ آیا۔

روبینہ آپا، کمال، اس کے گھر اور اس کی ماں عفت خانم کے خلاف بولتے ہوئے درحقیقت زیان کی سائیڈ لے رہی تھیں اور یہ ہی اس معاملے کا اختلافی پہلو تھا۔

"اتنی بھی زیادہ عمر کا نہیں ہے کمال۔ رہی گھر کی بات تو اچھا کماتا کھاتا لڑکا ہے۔ گھر بھی ٹھیک کروالے گا۔ زیان کے عیش ہوں گے۔ نندیں اپنے گھروں کی ہیں۔ ساس بوڑھی اور بیمار ہے۔ اس کا اپنا راج ہوگا۔" زرینہ بڑھ بڑھ کر منگنی کی حمایت میں بول رہی تھیں۔

پر بہن کے لاکھ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس سے متفق نہیں ہو پا رہی تھیں۔ کچھ بھی سہی وہ لاکھ بری ہونے کے باوجود زرینہ کی طرح دشمنی اور بدگمانی میں اندھے ہوجانے والوں میں شامل نہیں تھیں۔ وہاب ان کا لاڈلا بیٹا زیان کی محبت میں پاگل تھا۔ اس کی خوشی دیکھتے ہوئے روبینہ ماں ہونے کی حیثیت سے چاہ رہی تھیں کہ زیان کا رشتہ وہاب سے طے ہوجائے پر زرینہ ان کی ماں جائی اس حق میں نہیں تھی۔

روبینہ اپنی بہن کی فطرت، ہٹ دھرمی اور ضد سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس لیے انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ زرینہ اس رشتے پہ آمادہ ہوگی۔ اس لیے وہ خاموش ہوگئی تھیں۔ پر کمال کی صورت میں زرینہ نے زیان کے لیے جو رشتہ اسے دکھایا تھا، وہ بھی زیان کے لیے ہر لحاظ سے ناموزوں تھا۔ چپ چاپ خاموش گہری اداس آنکھوں والی زیان پہ نہ جانے کیوں انہیں رہ رہ کر ترس آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

زیان کالج سے لوٹی تو گھر میں سناٹا تھا سو ویسے بھی اس وقت سب کھانا کھا کر آرام کرتے تھے۔ آفاق، رائبل اور مناہل اس سے پہلے گھر آتے اور کھانا کھا کر اپنے اپنے کمرے کی راہ لیتے۔ زیان کی کالج سے گھر واپسی پہ کوئی بھی باہر نہ نکلتا، سوائے بوا کے۔ وہ ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھتیں اور ایک ایک چیز کی فکر کرتیں۔ عرصہ دراز سے اس گھر میں تھیں، سو مکینوں کے مزاج سے واقف تھیں۔

زیان نے بیگ ٹیبل پہ رکھا۔ پاؤں جرابوں اور شوز کی قید سے آزاد کیے۔ موسم میں خنکی تھی۔ اس نے لینن کا سوٹ الماری سے نکالا اور یونیفارم اتار کر وہی پہنا۔ کپڑے بدل کر وہ باہر آرہی تھی جب بوا سے مڈبھیڑ ہوئی۔

"السلام علیکم بوا۔" زیان نے خوش گوار لہجہ میں کہا تو وہ نہال سی ہوگئیں۔ کتنے دن بعد انہوں نے آج اس کا ہلکا پھلکا موڈ دیکھا تھا۔ وہ اداس یا پژمردہ نظر نہیں آرہی تھی۔

"کیا بات ہے، آج بہت خوش نظر آرہی ہو بیٹی۔" انہوں نے محبت سے اسے تکتے ہوئے پوچھا۔

"بوا کل سے ہمارے کالج میں اسٹوڈنٹس ویک شروع ہو رہا ہے' میں نے بھی ایک ڈرامے میں حصہ لیا ہے۔ کل وہ ڈراما ہماری کلاس کالج اسٹیج پر ایکٹ کرے گی۔ سب میری بہت تعریف کر رہے ہیں۔ آپ کو کیا بتاؤں۔" وہ بے پناہ خوش تھی۔

"اچھا تو کل تم ڈرامے میں حصہ لو گی؟" اسے خوش دیکھ کر بوا بھی خوش تھیں۔

"بوا کل میں اپنی فرینڈز کے ساتھ کالج جاؤں گی ڈرائیور کے ساتھ نہیں۔"

"ہاں میں اسے بتا دوں گی تم بے شک اپنی سہیلیوں کے ساتھ چلی جانا۔ اب تم آؤ ہاتھ منہ دھو لو' میں کھانا لا رہی ہوں۔"

"بوا آج مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"کیسے بھوک نہیں ہے' میں نے تمہاری پسند کی چیزیں بنائی ہیں۔" بوا نے پیار بھرا اصرار کیا۔

"رات کو کھا لوں گی نا' ابھی بھوک نہیں ہے۔ آپ چائے کے ساتھ دو کباب فرائی کر دیں مجھے۔" بوا مایوس سی ہو گئیں تو زیان سے رہا نہیں گیا' جھٹ چائے کا بول دیا۔

"میں ابھی لاتی ہوں۔" بوا کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ وہ کچن میں گئیں تو زیان پھر سے کل کے دن کے خیال میں ڈوب گئی' جب کل اسے اسٹیج پہ ڈراما ایکٹ کرنا تھا' اپنا رول ادا کرنا تھا۔

❊ ❊ ❊

رات سر پہ آئی تھی اور نیند تھی کہ آنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ کروٹیں لینے کے باوجود نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ زیان بستر سے اٹھی اور کپڑوں کی الماری کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ اسے کھول چکی تھی۔ اوپر والے خانے میں ایک کالا شاپر رکھا تھا۔ زیان نے ہاتھ بڑھا کر وہ شاپر اتارا۔ اندر شاپر میں امیر بھی کا براؤن کرتا اور سفید شلوار تھی۔ ایک چھوٹے لفافے میں مونچھیں تھیں ساتھ ہی استعمال کے عام چپل بھی تھے' جو سائز میں اس کے نرم و نازک پاؤں سے تھوڑے زیادہ تھے۔ اس نے یہ ہی سوٹ پہن کر اور نقلی مونچھیں لگا کر ریہرسل کی تھی اور سب ٹیچرز ساتھی طالبات سے خوب داد و صول کی تھی۔ آواز بدلنے میں اس کا کافی تجربہ ہو گیا تھا۔ یہ ہی وجہ ہے جب وہ اپنے مکالمے بول رہی تھی تو بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا کہ یہ آواز کسی لڑکی کی ہے۔ بالکل مردانہ آواز محسوس ہو رہی تھی۔

زیان نے شاپر بستر پہ اپنے سرہانے رکھ لیا۔ لائٹ بند کر کے وہ پھر سے بستر پر دراز ہو گئی۔ اس بار نیند کے مہربان ہونے میں دیر نہیں لگی تھی۔

صبح اس کی آنکھ معمول سے پہلے کھلی' لیکن اس کے لیے یہ مناسب وقت تھا۔ وہ دوبارہ سوئی نہیں۔ باتھ روم میں جا کر کپڑے تبدیل کیے۔ اب اس کے جسم پہ براؤن مردانہ کرتا اور سفید شلوار تھی۔ کرتا بہت کھلا اور شلوار لمبی تھی۔ شلوار اس نے ٹخنے والی جگہ سے موڑ کر اندر کر لی۔ اب اس کی لمبائی اتنی زیادہ نہیں لگ رہی تھی مگر کرتا ہوں کا توں تھا۔ یہ بات اس کے حق میں جا رہی تھی' کیونکہ کھلے کرتے نے اس کے جسمانی نشیب و فراز کو کافی حد تک چھپا لیا تھا۔ ویسے بھی تو وہ دبلی پتلی سی تھی۔

اب بالوں کا مسئلہ تھا۔ زیان کے بال لمبے کمر سے نیچے تک جا رہے تھے۔ اس نے موڑ کر بل دے کر چٹیا سی بنائی۔ پھر اسی چٹیا کو بل دے کر سر کے گرد گولائی میں لپیٹ کر سر کے بالوں پہ مضبوطی سے ڈھیری پنیں لگا دیں۔ اب بالوں کا آسانی سے کھلنا کافی مشکل تھا۔ پھر زیان نے اپنی سفید چادر نکالی' اسے لمبائی میں تہ لگا کر درمیانے سائز کے دوپٹے کی شکل دی۔ اب اسی چادر نما دوپٹے کو اس نے سر کے گرد پگڑی کی صورت میں لپیٹ دیا۔ اب اس کے سر کے بال ماتھے کے اوپر والا حصہ پگڑی میں چھپ گیا تھا۔ کانوں میں پہنی گئی چھوٹی چھوٹی بالیاں وہ رات کو ہی نکال چکی تھی۔ باقی کسی قسم کی جیولری وہ پہنتی ہی نہیں تھی۔ ہاں کلائی میں ایک موٹا سا کڑا خاص طور پہ پہنا تھا' جو لڑکے عام طور پہ پہنتے ہیں۔

ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وہ کاٹ چکی تھی۔ تیار ہونے کے بعد اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تو ایک ثانیے کے لیے پہچان ہی نہیں پائی کہ آئینے میں نظر آنے والی صورت اسی کی ہے۔ مونچھیں لگانے سے رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ اب کہیں سے بھی وہ لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔ بلکہ دبلا پتلا نوعمر لڑکا نظر آ رہی تھی۔

ڈھیلے ڈھالے کرتے اور نقلی مونچھوں کے اضافے نے بہت کچھ چھپا لیا تھا۔ وہ اپنے بہروپ سے پوری طرح مطمئن تھی۔ بس گھر سے نکلنے کا مرحلہ باقی تھا۔

بوا کو اس نے رات میں ہی کہہ دیا تھا کہ صبح وہ ناشتا نہیں کرے گی نہ ڈرائیور کے ساتھ کالج جائے گی۔ چھ سات ماہ سے وہ ڈرائیور کے ساتھ کالج جا رہی تھی' ورنہ پہلے وین اسے کالج چھوڑتی اور گھر واپس لاتی تھی۔ جب سے نیا ڈرائیور آیا تھا' تب سے وہ اس کے ساتھ جاتی تھی۔

پر آج ڈرائیور کے ساتھ کالج جانا اس کے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ صبح کے سات بجتے ہی زیان نے اپنے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر خود کو پیچھے کیے باہر جھانکا' کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ راحیل' مناہل اور آفاق تینوں آٹھ بجے ڈرائیور کے ساتھ گھر سے نکلتے۔ زیان بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ سب سے آخر میں زیان کو کالج چھوڑتا۔ پر آج زیان نے پروگرام بدل لیا تھا۔

بوا اٹھ چکی تھیں اور ناشتے کی تیاری میں لگی تھیں۔ ان کے ساتھ مدد کروانے کے لیے ثمینہ بھی تھی۔ گویا زیان کے لیے میدان صاف تھا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی امیر علی کی مردانہ ریسٹ واچ اٹھا کر اپنی کلائی پہ باندھی یہ قیمتی مردانہ گھڑی اس کی کلائی میں کافی ڈھیلی تھی۔ پر زیان کو غنیمت لگ رہی تھی۔ امیر علی کی یہ گھڑی کافی پرانی تھی۔ کچھ دن پہلے ہی زیان کو دراز میں سب سے نچلے حصے میں پڑی نظر آئی تو اس نے اٹھا کر اپنے کمرے میں رکھ دی۔ یہ ریسٹ واچ اس مردانہ بہروپ پہ بہت کام آ رہی تھی جو زیان نے اس وقت دھارا ہوا تھا۔

پاؤں میں ناپ سے قدرے بڑے سلیپر پہن کر اس نے آخری بار آئینے میں خود کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔ بہروپ مکمل تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر گھر سے نکلنے سے قبل ایک بار پھر باہر کا جائزہ لیا۔ کچن اس کے بیڈ روم کے مخالف سمت میں قدرے الگ جگہ بنا ہوا تھا۔ وہ اگر اپنے کمرے سے نکل کر بیرونی گیٹ تک جاتی تو کسی کی بھی نظروں میں نہ آتی کیونکہ بوا اور ثمینہ کچن میں اپنے کام میں لگی ہوئی تھیں۔ زرینہ بیگم نو بجے بے دار ہو کر ناشتا کرتیں۔ تینوں بچے اسکول کے لیے تیار ہو رہے تھے' جبکہ ڈرائیور اپنے کوارٹر میں تھا۔ فی الحال کوئی اور نہیں تھا جس کی نظر زیان پہ پڑتی۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر پہلا قدم رکھا اور پھر تقریباً" بھاگنے والے انداز میں کمرے سے گیٹ تک کا فاصلہ طے کیا۔ گیٹ سے باہر کوئی ذی روح نہیں آ رہا تھا۔

اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ سرمستی کا احساس رگ و پے میں بھر چکا تھا۔ اسے پہچانا نہیں گیا۔ وہ نئے روپ میں قبول کی جا چکی ہے۔ گویا اس نے ڈرامے کے لیے جو مردانہ روپ دھارا تھا وہ سو فیصد کامیاب تھا۔ بہروپ مکمل تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس کی چال میں اور بھی اعتماد آ گیا تھا۔ وہ ٹہلنے کے انداز میں آرام سے چلنے لگی۔ کچھ آگے چند قدموں کے فاصلے پہ ایک مارکیٹ تھی۔ زیادہ تر دکانیں بند تھیں۔ ایک آدھ ہی کھلی تھی۔ دکانوں سے آگے کنارے پہ کھڑے دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ زیان نے فوراً" ایک فیصلہ کیا اور عمل بھی کر ڈالا۔ وہ ان دو آدمیوں کے پاس پہنچ گئی۔

"بھائی جان بی سی او کدھر ہے؟" اس نے لہجے میں حتی الامکان اکھڑپن سمونے کی کوشش کی۔ وہ اچانک ان کے سامنے آ گئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ جب دبلے پتلے لڑکے نے انہیں مخاطب کیا۔ وہ مختصر نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ موٹی موٹی مونچھوں کے برعکس اس کے چہرے پہ بڑی

ملاحت تھی۔ مونچھیں کسی طرح بھی اس کی پوری شخصیت کے ساتھ میل نہیں کھارہی تھیں۔

دونوں آدمیوں میں سے ایک نے بڑے غور سے اس کی سمت دیکھا۔ اس کا رنگ سانولا، جسم مضبوط اور آنکھوں میں سرخی تھی، تیر چھیدتی نگاہ تھی اس کی۔

"یہاں کوئی پی سی او نہیں ہے۔ ہمارے گھر چلو پاس ہی ہے، فون کرلینا ساتھ دو چار باتیں کریں گے۔ چائے پانی بھی پی لینا۔ ویسے اس شہر کے لگتے نہیں ہو۔"

دوسرے آدمی نے آفر کی۔ یہ پہلے کی نسبت کالا اور بھاری ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ چہرے پہ چیچک کے داغ تھے جو اس کی بدنمائی میں اور بھی اضافہ کررہے تھے۔ پہلے والے آدمی نے زیان کے پاؤں میں موجود اس کے سائز بڑے جوتوں کو معنی خیز چبھتی نگاہوں سے دیکھا اور ساتھ ہی دوسرے آدمی کو ہاتھ سے کوئی اشارہ کیا۔ جسے زیان بالکل بھی نہیں سمجھ پائی۔ دونوں اب زیان کے نرم و نازک گلابی پاؤں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں نگاہوں کی زبان میں کوئی بات کی۔ زیان کے دل میں خدشات کا الارم زور و شور سے بجنے لگا۔

"نہیں بھائی جان! میں آگے جاکر کہیں اور سے فون کرلوں گا۔" ان دونوں مردوں کی ہوس ناک نگاہوں کو اس نے عورت کی فطری حس کی وجہ سے فوراً پڑھ لیا۔ وہ جلد از جلد ان سے دور ہونا چاہ رہی تھی۔ لیکن ان کے تیور ہرگز ایسے نہیں تھے جو آسانی سے اسے جانے دیتے۔ ایک زیان کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب آکر کھڑا ہوگیا۔

"کیا مکھن ملائی مونڈا اے تو یار... لگتا ہے اوپر والے نے لڑکی بناتے بناتے بالکل آخری وقت میں تمہیں لڑکا بنا دیا ہے۔" ایک نے زیان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے یہ جملہ سو فی صد اسی کے بارے میں کہا تھا۔ اپنے کندھے پہ پڑا ہاتھ زیان کو کسی سانپ کی مانند زہریلا محسوس ہوا۔ اس نے تیزی سے اس آدمی کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹاتے قدم آگے بڑھائے۔ سو دونوں بھی اس کے ساتھ چلنا شروع ہوگئے۔ زیان کی کوشش تھی جلد از جلد ان سے آگے نکل جائے۔ اگلے موڑ پہ پی سی او نما کھوکھا تھا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر اس کی سمت بڑھی۔

اندر دو، تین آدمی تھے اس کے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔ زیان کو کھوکھے کی سمت لپکتا دیکھ کر وہ دونوں ادھر ہی رک گئے۔ تاہم زیان اب بھی ان کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ "میینوں فون کرنا اے" (مجھے فون کرنا ہے) زیان نے اپنی طرف سے بڑی گاڑھی پنجابی بولی۔

کھوکھے کے باریش مالک نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور سامنے پڑا فون سیٹ اس کی سمت کھسکایا۔ زیان نے اعتماد سے اپنی ایک کلاس فیلو کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے کسی ملازم نے فون اٹینڈ کیا۔

"السلام علیکم طارق گل کرداآں (السلام علیکم! طارق بات کررہا ہوں۔) وہ دوسری طرف کی سنے بغیر شروع ہوگئی۔" باریش آدمی نے اپنے سامنے کھڑے دوسرے گاہک کو دیکھا اور پھر باتیں کرتی زیان کو۔

"اللہ کی شان یہ نرم و نازک نوجوان بالکل لڑکی لگ رہا ہے۔" باریش شخص نے یہ جملہ اپنے سامنے کھڑے دوسرے آدمی سے زیان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے ادا کیا۔ وہ فون پہ اپنی ہی ہانک رہی تھی۔ ورنہ سن کر پریشان ہوجاتی۔ بات ختم کرکے اس نے مطلوبہ رقم باریش آدمی کے ہاتھ پہ رکھی اور آگے کی سمت بڑھ گئی۔

جوں ہی وہ کھوکھے سے باہر آئی وہ دونوں آدمی بھی فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چل پڑے۔ ان کی نظر زیان پہ تھی زیان اس بات سے بے خبر سوزوکیوں کے اڈے کی طرف جارہی تھی۔ وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ پاس ہی مین روڈ تھا۔ اسکول و کالج، دفاتر میں آنے جانے والے اپنی اپنی گاڑی کے انتظار میں تھے۔ زیان کو فوراً اپنے کالج کے روٹ کی سوزوکی مل گئی اور وہ اس میں سوار ہوگئی۔ اس کے ساتھ وہ دونوں آدمی بھی سوزوکی میں سوار ہوگئے۔ زیان سے پہلے دو آدمی گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیڈیز والی ساری سیٹیں خالی تھیں۔ زیان اس طرف بیٹھی تھی۔ ذرا دیر بعد حواس قابو میں

آئے تو اس کی نگاہ فوراً" ان ہی دو آدمیوں پہ پڑی۔ وہ زیان کو ہی دیکھ رہے تھے۔ غلیظ' خباثت بھری نگاہیں جو ان کے ہوس ناک ارادوں کا پتا دے رہی تھی۔ وہ کسی طرح بھی اس کا پیچھا چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اگلے اسٹاپ سے عورتیں سوار ہوئیں تو کلینر نے زیان کو مردوں والے حصے کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"بھائی وہاں بیٹھو' یہ لیڈیز سیٹیں ہیں۔" ناچار زیان مردوں والے حصے کی آخری سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ بھاری ڈیل ڈول رکھنے والے آدمی کا کندھا اس کے کندھے سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ جان کر مزید اس کے قریب ہوا تو زیان بالکل کونے کی طرف ہو گئی۔ پہلی بار اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ سوزوکی دوبارہ چلنے لگی۔ آگے جا کر زیان کی دو کلاس فیلوز سوار ہوئیں تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ جھٹ اپنی سیٹ سے اٹھی اور ان کے برابر بیٹھ گئی۔

"اندھے ہو کیا نظر نہیں آتا۔ یہ عورتوں کی سیٹ ہے۔" اس کی کلاس فیلو سدرہ دھاڑ سے مشابہ آواز میں غرائی۔ زیان کے چہرے پہ پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ کیونکہ سب مرد اسے دیکھ رہے تھے۔ کیا خبر سدرہ کے شور مچانے پہ اس کی ٹھکائی ہی نہ شروع کر دیتے۔

"سدرہ یہ میں ہوں زیان۔۔۔" وہ سرگوشی سے مشابہ آواز میں بولی۔ سدرہ نے اسے غور سے دیکھا' پل بھر کے حیران ہوئی' وہ اسے پہچان چکی تھی۔ آواز سو فیصد زیان کی تھی۔ کیونکہ وہ اصلی آواز میں بولی تھی۔ غور سے دیکھنے پہ نقوش بھی مانوس لگے۔ مگر زیان کی یہ بے تکی حرکت اور گیٹ اپ اسے بہت الجھا رہا تھا۔ پر اس وقت وہ سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ زیان نے ہونٹوں پہ انگلی رکھتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

گاڑی میں موجود سب مردوں کی نگاہیں ان ہی کا طواف کر رہی تھی۔ وہ دبلا پتلا نوعمر لڑکا جس کے چہرے پہ موجود مونچھیں عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔ ان دو لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ لڑکیاں اب شور بھی نہیں کر رہی تھیں۔ جو کہ خلاف عقل تھا۔ سب اپنی عقل کے مطابق قیاس کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ سانولا کالا آدمی اور اس کا دوسرا ساتھی مایوس ہو چکے تھے کہ زوردار لونڈا ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس کم بخت کا آنکھ مٹکا تو ایک ایک نہیں دو دو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

کالج گیٹ کے سامنے جوں ہی سوزوکی رکی تو زیان سب سے چھلانگ مار کر اتری۔ تیزی سے اترنے کی وجہ سے اس کی مونچھ کی ایک سائیڈ جلد سے الگ ہو کر اس کے ہونٹوں پہ جھک آئی تھی۔ زیان غڑاپ سے کالج گیٹ سے اندر غائب ہو چکی تھی۔ سوزوکی میں موجود سب لوگ ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ ان دو آدمیوں کی حالت دیکھنے والی ہو رہی تھی جو زیان کا پیچھا کرتے یہاں تک پہنچے تھے۔

☼ ☼ ☼

گیٹ سے اندر چوکیدار زیان سے سوال جواب کے لیے تیار تھا۔ سدرہ اور نائلہ پیچھے پیچھے تھی۔ چوکیدار سے کلیئر ہونے کے بعد تینوں آگے بڑھیں۔

"میں نے تو صرف ایڈونچر میں آکر ایسا کیا کہ دیکھوں اس روپ میں کوئی مجھے پہچانتا ہے کہ نہیں۔ سب سے چھپ کر گھر سے نکلی ڈرائیور کو بھی منع کر دیا کہ دوستوں کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ انہیں اپنی بے وقوفی دوسرے الفاظ میں ایڈونچر کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"تمہاری اس بے وقوفی کی وجہ سے تمہیں اگر کچھ ہو جاتا تو۔۔۔" نائلہ غصے سے بول رہی تھی۔

"ہوا تو کچھ نہیں میں بس ان دو آدمیوں کی وجہ سے پریشان ہو گئی تھی۔ لیکن اب ٹھیک ہوں۔" وہ اندرونی خوف و بزدلی پہ قابو پاتے ہوئے (جس سے کچھ دیر پیشتر وہ دوچار ہوئی تھی۔) ہنس دی۔ پر سدرہ اور نائلہ دونوں کو اس کی بات پہ یقین نہیں آیا۔

"اس وقت تو ہوائیاں اڑ رہی تھیں چہرے پہ۔ کیسے گاڑی میں میرے ساتھ چپکی جا رہی تھی۔"

سدرہ چہک کر بولی۔

"اچھا جو بھی ہے یہ بتاؤ لگ رہا ہوں نہ لڑکا؟" ان کے سامنے اکڑ کر زوین اسٹائل سے کھڑی ہوگئی۔ آس پاس سے گزرنے والی طالبات بھی رک کر انہیں دیکھنے لگ گئی تھیں۔

"ہاں لگ تو رہے ہو نرم نرم سے لڑکے۔" سدرہ قدرے چہک کر عاشقانہ انداز میں بولی۔ زیان نے جھینپ کر اسے ایک دھپ لگائی۔

"مجھے تمہاری اس حماقت پہ ابھی تک یقین نہیں آرہا ہے۔ صرف اس شوق و تجسس میں کہ اس گیٹ اپ میں تم لڑکا لگتی ہو کہ نہیں، تم صبح سویرے گھر سے ایسے نکل آئیں۔ نتائج تک کی پروا نہیں کی۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" نائلہ اسے سمجھانے کے موڈ میں تھی۔

"آئندہ ایسے نہیں کروں گی۔ یہ تو ڈرامے کی وجہ سے اچانک میرے دل میں یہ عجیب خیال آیا۔"

عجیب نہیں واہیات نامعقول خیال کہو۔" سدرہ نے تیزی سے کہا۔

"شکر کرو بچ گئی ہو۔" نائلہ نے ایک بار پھر اسے تمسخر نگاہوں سے دیکھا۔ زیان نے جان چھڑانے والے انداز میں ان کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

تینوں ہال میں پہنچ چکی تھیں۔ جہاں سب طالبات اور ٹیچرز جمع تھیں۔ زیان ڈرامے کی ٹیم کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

احمد سیال کھانا کھا رہے تھے۔ رنم انہیں راعنہ کی شادی کی روداد سنا رہی تھی۔ "پپا! راعنہ کے ان لاز نے کوئی ڈیمانڈ نہیں کی ہے اور نہ کوئی جہیز لیں گے وہ لوگ۔"

"اچھا۔" احمد سیال کو سن کر حیرانی نہیں ہوئی۔ وہ نارمل موڈ میں تھے۔ رنم کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس نے اپنے تئیں اتنی زبردست عجیب و غریب شاکڈ کرنے والی بات بتائی تھی، لیکن پاپا نے کوئی خاص ریسپانس ہی نہیں دیا۔

"تم کب تک فری ہوگی؟" احمد سیال نے کھانا کھاتے کھاتے سوال کیا۔ "کیوں پاپا؟"

"تم راعنہ کی شادی کی مصروفیت سے فری ہو جاؤ تو انفارم کرنا۔" وہ مبہم سے انداز میں بولے۔ "کیوں پاپا؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا میرے دوست جہانگیر ملک نے تمہارے لیے اپنے بیٹے کا پرپوزل دیا ہے۔ تمہارے ایگزام کے دوران وہ آیا تھا۔"

"ہاں مجھے یاد آرہا ہے آپ نے ذکر کیا تھا۔" اس نے بھی احمد سیال کے انداز میں کہا۔

"میں ملک جہانگیر کی فیملی کو بلواتا ہوں کسی دن، تم بھی مل لو۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرکے اٹھ کھڑے ہوئے۔

رنم نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا تو انہوں نے سیدھے اسٹڈی روم کا رخ کیا۔ رنم ادھر ہی بیٹھی دل ہی دل میں پاپا سے خفا ہو رہی تھی۔ پر ابھی اس کے پاس لمبی چوڑی ناراضی دکھانے کا ٹائم نہیں تھا، کیونکہ کل راعنہ اور شہریار کا ولیمہ تھا۔ اسے تیاری بھی کرنی تھی۔ اس موضوع پہ پاپا سے بعد میں بھی بات کی جاسکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ پہ شہریار نے بہت زیادہ مہمانوں کو انوائیٹ نہیں کیا تھا۔ راعنہ کی فیملی اور ان دونوں کے مشترکہ رشتہ دار اور کچھ دوست احباب تھے۔ کھانے میں چار ڈشز تھیں۔ راعنہ کے ولیمہ کا جوڑا بہت نفیس پر زیادہ قیمتی نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ بے پناہ خوش نظر آرہی تھی۔ راعنہ کے گھر والے بھی مسرور تھے۔ شہریار کے کسی بھی عمل پہ انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ راعنہ کے پپا بے پناہ خوش تھے کہ انہیں شہریار کی صورت میں اپنی بیٹی کے لیے خوددار، غیرت مند شوہر ملا ہے۔ وہ سب دوست راعنہ اور شہریار کا گھر دیکھنے بھی گئے۔ یہ گھر کسی پوش علاقے میں نہیں تھا۔

پر صاف ستھری کالونی میں تھا۔ چھوٹا سا متناسب اور موزوں فرنیچر سے آراستہ تین کمروں کا گھر راعنہ اور شہریار کی محبت کے وجود سے سج گیا تھا۔

رنم حیرانی سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔ شہریار کے پاس سیکنڈ ہینڈ گاڑی تھی۔ راعنہ کو شہریار کے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ذرہ بھر احساس کمتری نہیں تھا۔

"میری یہ لائف پاپا کے گھر کی لائف سے بالکل ڈیفرنٹ ہے۔" انہیں کھانے پینے کی سب چیزیں خود سرو کرتے ہوئے راعنہ خوشی سے بتا رہی تھی۔

"تم یہاں آرام سے رہ لوگی؟" رنم نے نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹکا دیں۔

"میں یہاں رہتے ہوئے بہت کمفرٹیبل فیل کر رہی ہوں۔ پاپا مجھے اور شہریار کو بہت کچھ دینا چاہتے تھے مگر شہریار عام مردوں کی طرح لالچی نہیں ہیں۔ ورنہ ہمارے طبقے میں اکثر شادیاں بزنس ڈیل ہوتی ہیں۔ پر ہماری شادی بزنس ڈیل نہیں ہے، رئیل شادی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے تحمل سے رنم کے جواب دے رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہمارے سوشل سرکل میں شادی بزنس ڈیل ہی ہوتی ہے۔" اس نے تائید کی۔

"تمہارے لیے بھی تو ایک جاگیردار فیملی سے رشتہ آیا ہے۔ بہت اونچا ہاتھ مارا ہے تم نے۔" کومل کو یاد آیا۔ رنم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"میری شادی پاپا میری مرضی سے کریں گے۔" وہ غصے سے بولی۔ پتا نہیں کومل کے عام سے جملے پہ وہ کیوں بانہو ہو گئی تھی۔

"ہاں تمہارے پاپا تمہاری شادی اپنی مرضی سے اپنے کسی دوست کے بیٹے سے کریں گے۔ جو ان کی طرح بزنس مین ہوگا بہت امیر۔" کومل اسے تنگ کر رہی تھی۔ رنم ناراض ہو کر وہاں سے اٹھ آئی۔

☆ ☆ ☆

رنم احمد سیال کے پاس بیٹھی پورے ایک گھنٹے سے مسلسل بول رہی تھی۔ "پاپا، راعنہ کے ہزبینڈ نے کچھ نہیں لیا ہے نہ جہیز، نہ گاڑی، نہ بنگلہ، نہ بینک بیلنس۔ شہریار بھائی نے خود راعنہ کے لیے شادی کا جوڑا اور جیولری خریدی۔ وہ شہریار بھائی کے لائے ہوئے جوڑے میں ہی اپنے بابا کے گھر سے رخصت ہوئی۔ پاپا میں بہت حیران ہوں، پر یہ سب مجھے بہت اچھا لگا ہے۔" احمد سیال اس کی حیرانی سی پھیلی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ "راعنہ کا شوہر خوددار اور سیلف میڈ ہے، اسے اپنے زور بازو پہ بھروسا ہوگا، تب ہی اس نے کسی قسم کی ہیلپ نہیں لی ہے۔" احمد سیال نے تبصرہ کیا۔ "اور ہاں وہ جہانگیر کے گھر والے آنا چاہ رہے ہیں تمہیں دیکھنے۔" انہیں اچانک یاد آیا۔

"پپا میری خواہش ہے، میری شادی جس شخص کے ساتھ ہو۔ وہ شہریار بھائی کی طرح خوددار ہو۔ کسی قسم کی ہیلپ نہ لے۔ سب کچھ اپنی محنت سے بنائے۔" رنم اپنی دھن میں بول رہی تھی۔ اس نے احمد سیال کی بات سنی ہی نہیں۔

"میں اتنی زیادہ دولت و جائیداد کا کیا کروں گا رنم۔ اگر تم کچھ لیے بغیر میرے گھر سے رخصت ہو جاؤ گی۔" احمد سیال کو اپنی لاڈلی کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

"پاپا آپ جہاں میری شادی کریں گے کیا ان کے پاس گھر، دولت، جائیداد یہ سب کچھ نہیں ہوگا؟" وہ اچانک سنجیدہ ہوئی۔

"میری جان۔ بے شک سب کچھ ہوگا، لیکن میں اپنی اکلوتی اولاد کو کسی بھی چیز سے محروم نہیں کر سکتا۔ میں تمہاری شادی دھوم دھام سے کروں گا۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں تمہیں اس گھر سے خالی ہاتھ رخصت نہیں کروں گا، ایسا جہیز دوں گا کہ دنیا دیکھے گی اور تمہاری شادی ہمارے سوشل سرکل کی شاندار اور یادگار شادی ہوگی۔" احمد سیال باتوں باتوں میں بہت دور نکل گئے تھے۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے، پپا مجھے شہریار بھائی جیسا لائف پارٹنر چاہیے بس۔" وہ جھنجلا سی گئی۔

"تمہاری سوچ بچوں والی ہے۔" وہ مسکرائے۔ احمد

سیال اسے بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کر رہے تھے۔

"پاپا میں سیریس ہوں۔" وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولی۔

"اینی وے میں ملک جہانگیر کے گھر والوں کو انوائیٹ کروں گا۔ تم ان کے بیٹے کو دیکھ لینا مل لینا۔" احمد سیال نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ رنم کو بے طرح غصہ آیا۔

"نہیں کسی سے نہیں ملوں گی پاپا۔" وہ دھم دھم کرتی وہاں سے چلی آئی۔ احمد سیال اس دروازے کو دیکھ رہے تھے، جہاں سے وہ نکل کر ابھی ابھی گئی تھی۔ وہ اس کے غصے کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ جب سے وہ راعنہ کی شادی اٹینڈ کر کے آئی تھی۔ تب سے اس کے پاس ایک ہی موضوع تھا کہ شہریار نے سسرال والوں سے اپنی کم حیثیتی کے باوجود کسی قسم کی مالی امداد قبول نہیں کی ہے۔ وہ اس پہ غور کر رہے تھے۔ رنم نے ملک جہانگیر کی فیملی سے ملاقات کرنے کے ضمن میں کسی قسم کی رضامندی نہیں دی تھی۔

☼ ☼ ☼
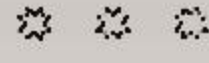
ملک ارسلان شہر گئے ہوئے تھے۔ عنیزہ کچھ دیر افشاں بیگم کے پاس بیٹھی رہیں۔ ویسے بھی ارسلان کے بغیر ان کا جی گھر میں گھبراتا اس لیے ادھر آجاتیں۔ شام اپنے پر پھیلانا شروع کر چکی تھی، جب انہوں نے افشاں بھابھی سے اجازت چاہی۔

حویلی میں سناٹا طاری تھا۔ ملازم کام نپٹا کر اپنے اپنے کوارٹرز میں تھے جو حویلی کے مشرقی حصے میں بنائے گئے تھے۔ گھر میں اس وقت دو خاتون ملازمائیں تھیں جو عنیزہ کو دیکھ کر فوراً ہی متحرک نظر آنے لگیں۔ عنیزہ انہیں نظر انداز کرتی اپنے بیڈ روم میں چلی آئیں۔ انہوں نے دروازہ لاک کر کے اپنی دیوار گیر الماری کھولی۔ سب سے نچلے حصے میں ایک خفیہ خانہ تھا۔ عنیزہ نے اسے اپنی طرف کھینچا اور چابی گھمائی۔ لاک کھل چکا تھا۔ اندر ایک پیکٹ موجود تھا۔ عنیزہ نے پیکٹ اٹھا کر باہر بیڈ پہ رکھا۔ اس پیکٹ کی حفاظت اٹھارہ سالوں سے وہ قیمتی خزانے کی طرح کرتی آرہی تھیں۔ نرم آرام ہاتھوں سے انہوں نے پیکٹ کھول کر اندر موجود اشیا باہر نکالنی شروع کیں۔ بیڈ پہ ننھے منے کپڑوں، بے بی پاؤڈر، آئل سوپ اور دو عدد چھوٹے چھوٹے شوز کے جوڑوں کا چھوٹا سا ڈھیر لگ گیا تھا۔ سب چیزیں پرانی اور استعمال شدہ تھیں۔ بے بی آئل بوتل میں آدھے سے کم بچا تھا۔ پاؤڈر کا ڈبا بھی تقریباً خالی تھا۔ چھوٹے چھوٹے شوز قدرے میلے تھے۔ پرانے کپڑوں، فراکس، نیکر کا رنگ اتنے سالوں میں مدھم پڑ گیا تھا۔ گتے کے ڈبے میں ایک فیڈر بھی تھا۔ کچھ کھلونے بھی تھے۔

عنیزہ نے اس چھوٹے سے ڈھیر کو سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ آنسوؤں کا جھرنا اس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑا۔ وہ ایک ایک چیز کو بار بار چھو رہی تھیں، چوم رہی تھیں، سونگھ کر کچھ محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جیسے ان کپڑوں اور بے جان کھلونوں میں کوئی زندہ وجود ہو، ان کا لمس ہو۔ وہ اب سسک سسک کر رو رہی تھی۔ نڈھال انداز میں روتے ہوئے وہ بیڈ کے ہی ایک کونے میں گٹھڑی بن کر لیٹ گئی۔ اس عالم میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ دل کا غبار کم ہوا تو انہوں نے اٹھ کر سب چیزیں سمیٹیں اور پہلے کی طرح ایک پیکٹ بنایا۔ الماری میں رکھ کر پہلے کی طرح الماری لاک کر کے چابی اپنی مخصوص جگہ پہ رکھ دی۔ اسی اثنا میں عشاء کی اذان ہونا شروع ہو گئی۔ وہ وضو کر کے اپنے رب کے حضور جھک گئیں۔ دل کا سارا درد آنسوؤں میں بہہ رہا تھا۔ یہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ جی بھر کر اپنے رب سے حال دل کہہ سکتی تھیں۔ فریاد کر سکتیں۔ دنیا کے دربار میں اس کی شنوائی نہیں تھی۔ پر وہ جس کے دربار میں تھیں وہ پاک ہستی لامحدود اختیار کی مالک تھی۔

"میرے اللہ میرے اللہ۔ میرے مالک تو خوب جانتا ہے، خوب سمجھتا ہے۔ مجھ پہ میری طاقت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ میں تھک گئی ہوں اس آبلہ پائی

ہے۔ میرے مالک میری آزمائش ختم کر دے، مجھے شکر گزار بنا۔" روتے روتے وہ اپنی جملوں کی تکرار کر رہی تھیں۔ "میرے مالک' میں تھک گئی ہوں' اب مجھے اس اذیت' اس کرب سے نجات دلا دے۔" اپنی فریاد رب کے حضور پہنچا کر انہیں قدرے سکون حاصل ہوا۔

⁂ ⁂ ⁂

ملک ارسلان رات گھر واپس آئے تو عنیزہ بخار میں تپ رہی تھیں۔ بہت زیادہ رونے اور ٹینشن کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی تھی۔ انہوں نے ان کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔

"نہیں تمہیں۔ اچھا خاصا چھوڑ کر گیا تھا کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ ان کی سوجی متورم آنکھیں دیکھ رہے تھے۔

"بخار ہو گیا ہے تھوڑا اور تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔

"صرف بخار نہیں ہوا' تمہاری طبیعت اچھی خاصی خراب ہے اور تم روتی بھی رہی ہو' تمہیں پتا ہے تمہارا رونا میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں نہیں روئی ہوں۔" عنیزہ نے بے اختیار ان کی بات کاٹی۔

"میں تمہارے مزاج کے ہر رنگ سے واقف ہوں۔ محبت نہیں عشق کیا ہے تم سے۔ عیاں ہو تم پوری کی پوری۔" وہ نرمی اور روٹھے پن سے اسے دیکھ رہے تھے۔ عنیزہ کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو اچانک پھیلے اور وہ ارسلان کے سینے سے لگ گئیں۔ "میں آج بہت اذیت میں ہوں۔" وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ ارسلان نے انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"تم ماضی کو بھول کیوں نہیں جاتیں' ماضی کی اذیت کی وجہ سے مجھے اپنے آپ کو کیوں نظرانداز کرتی ہو۔ تمہارا ماضی دفن ہو گیا ہے۔ میں تمہارا فیوچر ہوں۔ اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں سوچو۔ تمہیں مجھ پہ ترس نہیں آتا۔ تمہارے آنسو مجھے کتنی تکلیف دیتے ہیں' تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔" وہ اس کے آنسو صاف کر رہے تھے۔ اسے بہلا رہے تھے۔ یہ سب باتیں وہ پچھلے اٹھارہ برس سے کرتے آ رہے تھے۔ ہر بار عنیزہ خود کو سمیٹنے کا عہد کرتیں اور ہر بار بکھر جاتیں۔ اس ٹوٹی پھوٹی محبوب بیوی کو سمیٹنے کا ہنر ملک ارسلان کے ہی پاس تھا۔

"ملک صاحب میرے پاس آنے والی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔ نہ کوئی خوشی' نہ امید' نہ روشنی کے جگنو' میں آپ کو ایک بچہ تک نہ دے سکی۔ میرے کرب کو آپ کیا سمجھ پائیں گے۔" وہ ایک بار پھر رونے لگیں۔ ملک ارسلان نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر انہیں پلایا۔

"میری محبت ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے اور رہے گی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تم جس دن جان جاؤ گی اس دن اپنی قسمت پہ رشک کرو گی۔ باقی ہماری اولاد نہیں ہے تو کیا ہوا' میں اس کے بغیر بھی تمہارے ساتھ بے پناہ خوش ہوں۔ میری زندگی میں تم ہو اور صرف تمہاری وجہ سے میں پوری زندگی ہنسی خوشی گزار سکتا ہوں۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ میں ہمیشہ سے تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ ہمیشہ کی طرح اپنے محبت کے سہارے ان کے سب دکھ' سب کانٹے چنتے جا رہے تھے۔ ملک ارسلان کی محبت کو عنیزہ کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی تھیں۔ وہ گہرے پر سکون سمندر کی مانند تھے۔ بہت دیر بعد ارسلان کی کوشش سے وہ نارمل ہوئیں۔

⁂ ⁂ ⁂

دو دن سے اس کی پاپا کے ساتھ کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ نہ اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ یہ اس کی طرف سے مکمل ناراضی کا اظہار تھا۔ احمد سیال ایک ڈیلی گیشن کے ساتھ مصروف تھے۔ اس لیے رنم کی خاموش ناراضی ان کے علم میں نہیں تھی۔ رنم فی الحال دو دن فری تھی' کیونکہ یونیورسٹی

سے چھٹی تھی۔ اس نے شام ڈھلتے ہی فراز کو کال کی۔

"میں تم سے ملنا چاہ رہی ہوں۔" اس نے کسی بھی سلام ودعا کے تکلفات میں پڑے بغیر تیزی سے کہا۔

"میں جم میں ہوں ایک گھنٹہ تک فارغ ہوں گا۔"

"مجھے تم سے ابھی ملنا ہے۔ مون لائٹ ریسٹورنٹ میں پہنچ جاؤ۔ میں پندرہ منٹ میں گھر سے نکل رہی ہوں۔" رنم ضدی انداز میں بولی۔

دوسری طرف موجود فراز گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اسے پتا تھا کہ اسے ابھی اور اسی وقت جم سے نکلنا ہوگا اور اگلے پندرہ سے بیس منٹ میں مون لائٹ ریسٹورنٹ جانا ہوگا۔ "او کے تم پہنچو میں بھی آرہا ہوں۔" فراز نے ہار ماننے والے انداز میں کہا۔

رنم کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے پتا تھا کہ فراز اس کی بات ٹال نہیں سکتا۔ وہ گنگناتے ہوئے بال سنوارنے لگی۔

☼ ☼ ☼
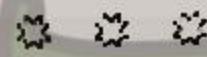
فراز اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھا پوری سنجیدگی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ رنم نے الف تا یے سب بتا دیا تھا۔ "پاپا نے کوئی رسپانس نہیں دیا' بلکہ الٹا کہا' تمہاری سوچ بچوں والی ہے۔ میں تمہیں دھوم دھام سے رخصت کروں گا۔ لیکن مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں چاہتی ہوں کہ راعنہ کی طرح میری شادی جس شخص سے ہو وہ جہیز کے نام پہ کچھ بھی میرے پاپا سے نہ لے۔ بس مجھے ایسے ہی قبول کرلے۔ مجھے جہیز لینا' بہت سا بینک بیلنس' کار' کوٹھی' بنگلہ' شادی کے گفٹ کی صورت میں لینا کسی صورت بھی منظور نہیں۔ پاپا کے فرینڈ بہت امیر ہیں' ظاہر ہے ان کا بیٹا بھی ویسا ہی ہوگا۔ انہیں بھلا کسی چیز کی کیا ضرورت ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں تیز تیز بول رہی تھی۔ فراز نے ایک بار بھی اسے نہیں ٹوکا اور نہ ہی خود درمیان میں بولا۔

جب وہ خاموش ہوئی' تب فراز نے خاموشی توڑی۔

"میں سمجھ گیا ہوں تم کیا چاہتی ہو۔"

"ریئلی فراز تم اتنی جلدی سمجھ گئے ہو' میرے بیسٹ فرینڈ ہو نا۔ پر پاپا میری بات کو کیوں اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ تمہارے پاپا کے وہ دوست کب آرہے ہیں؟" فراز نے اس کی روہانسی صورت نظر انداز کر کے بالکل غیر متوقع سوال کیا۔

"میں نے پاپا کو کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔" وہ منہ بنا کے بولی۔

"ایسے تو کام نہیں چلے گا۔ کچھ نہ کچھ کرنا تو ہوگا۔" وہ پرسوچ لہجہ میں بولا۔

"سو سمپل میں ایسے انسان سے شادی ہی نہیں کروں گی جو مجھ سے ان سب چیزوں کے بغیر شادی نہیں کرے گا۔"

"اس کا مطلب ہے تم کسی مڈل کلاس نوجوان سے شادی کروگی؟"

"ہرگز اب ایسی بھی کوئی آفت نہیں آئی' میرا ایک اسٹینڈرڈ ہے۔ مجھے بس ایک ایسا انسان چاہیے جو شہریار بھائی کی طرح ہو۔" فراز اس بار اپنی مسکراہٹ نہیں روک سکا۔ اس نے مشکل سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا تھا۔

"تم کیوں ہنس رہے ہو؟" رنم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"مڈل کلاس نوجوان سے تم شادی کروگی نہیں' کیونکہ وہ تمہاری کلاس سے نہیں ہے اور تمہارے سوشل سرکل میں ایسا لڑکا ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا جو تمہارے پاپا کی سپورٹ سے فائدہ نہ اٹھائے۔ دولت دولت کو کھینچتی ہے اور جس کسی کی بھی شادی تمہارے ساتھ ہوگی۔ اسے تمہارے ساتھ ساتھ بہت ساری دولت بھی ملے گی۔" فراز نے حقیقت بیان کی تھی۔

"میں ایسے کسی بھی شخص سے شادی نہیں کروں گی۔" رنم کا انداز قطعی اور دو ٹوک تھا۔

"ویسے ایسا شخص تمہیں مل سکتا ہے۔" فراز خلا میں کسی غیر مرئی چیز کو دیکھ رہا تھا۔

"کہاں ملے گا ایسا شخص۔" رنم اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے

اچھل ہی تو پڑی۔

"کوئی ایسا شخص جو تم سے سچی بے پناہ محبت کرتا ہو۔ صرف ایسا شخص ہی تم سے تمہاری دولت کے بغیر شادی کرسکتا ہے۔" اسے صرف تم سے محبت ہو' تمہاری یا تمہارے پاپا کی دولت سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔" وہ جیسے کھوئے کھوئے انداز میں بول رہا تھا۔

"ایسا تو کوئی بھی بندہ نہیں ہے جسے مجھ سے محبت ہو۔" رنم بہت سادگی اور مایوسی سے گویا ہوئی۔

"ایسا کرو کہ تم کوئی بندہ ڈھونڈو' جو تم سے سچی محبت کرے۔ ایک دن پھر اسے اپنے پاپا سے ملواؤ۔ آگے کے کام آسان ہوجائیں گے۔ وہ تم سے شادی کرلے گا۔ اپنے گھر لے جائے گا۔" جانے فراز نے یہ سب سنجیدگی سے کہا تھا یا اس سے مذاق کررہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی۔ "ٹھیک ہے تم اپنے پاپا سے بات کرو۔" فراز کو اس کے چہرے پہ چھائی مایوسی ہضم نہیں ہورہی تھی۔

"میں تمہارا بیسٹ فرینڈ ہوں ناں' میری بات مان لو۔ اپنی ضد سے باز آجاؤ۔ تمہارے پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم ان کی اکلوتی اولاد ہو' ہر چیز کی وارث ہو۔ ساری عمر انہوں نے جان لڑا کر اپنے بزنس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ اس ساری کامیابی کا' دولت کا کیا فائدہ جب تم اپنی زندگی کو ہی آسان نہ بناسکو۔ ہر چیز کو ٹھوکر مار دو' ان کی تو سب محنت اکارت جائے گی۔"

فراز نے اچانک نیا پینترا بدلا تو رنم سے ہضم نہیں ہوا۔

"فراز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔"

"میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہر نئی چیز' نیا منصوبہ تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تمہیں لگے بندھے فرسودہ راستوں پہ چلنے سے نفرت ہے۔ تمہیں نئے نئے کام کرنے کا شوق ہے' کچھ ایسا کہ سب حیران ہوجائیں۔ یہ سب خیالات تمہارے ذہن میں راعنہ کی شادی کے بعد آئے ہیں۔ کیونکہ اپنے سرکل میں تم نے راعنہ کے ہزبینڈ جیسا کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔ اس لیے تم شہریار کی خودداری سے متاثر ہوگئی ہو' کیونکہ اس خودداری میں کم سے کم تمہارے لیے نیا پن ہے' اب تم بھی یہ ہی چاہتی ہو کہ راعنہ کی طرح خالی ہاتھ رخصت ہو۔ تمہارے خاندان میں ملنے جلنے والوں کے لیے یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہوگا کہ احمد سیال جیسے کامیاب بزنس ٹائیکون کی بیٹی جہیز کے نام پہ ایک تنکا بھی لے کر نہیں گئی۔ یہ خبر ہر جگہ ڈسکس ہوگی۔ تم اور تمہاری شادی گرماگرم موضوعات کا حصہ بنے گی اور تم سب کو چونکانے میں کامیاب رہوگی۔ تمہارے لیے یہ سب وقتی ایڈونچر ہے۔ کیونکہ تم جدت پسند ہو' ایکسائیٹڈ ہورہی ہوگی کہ تمہیں ایسا شخص ملے جو کہے کہ میں تمہیں تین کپڑوں میں قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس کے بعد کیا ہوگا' تمہیں نہیں معلوم۔ راعنہ کی شادی اپنی فیملی میں ہوئی ہے۔ بعد میں شہریار کا طرز عمل کیا ہوگا' ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جبکہ تمہارے لیے آؤٹ آف فیملی پروپوزل آیا ہے' تمہیں نہیں معلوم وہ لوگ کیسے ہیں۔ تمہارے پاپا کا ایک نام ہے۔ عزت ہے وہ بھلا اپنے منہ سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنی بیٹی کو کچھ نہیں دوں گا یا میری بیٹی کو یہ سب پسند نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں معاشی لحاظ سے کیا گیا گزرا گھرانہ بھی بیٹی کو جب رخصت کرتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق سب کچھ دینے کی کوشش کرتا ہے' بیٹی پیدا ہوتے ہی اس کے لیے جہیز جمع کرنا شروع کردیا جاتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے پاپا کی بھی خواہش ہے کہ تمہیں شایان شان طریقے سے رخصت کرسکیں۔ تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔"

فراز بہت رسان سے بات کررہا تھا۔ رنم کے چہرے سے لگ رہا تھا۔ وہ اس سے ذرا بھی متفق نہیں ہے۔ بس بحالت مجبوری اس کی بات سن رہی ہے۔ تب ہی تو فراز کو بولتا چھوڑ کر تھوڑی دیر بعد وہ بیگ اٹھائے چلتی بنی۔ فراز الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک ایڈونچر' ایک تبدیلی' ایک نئے پن' ایک تجربے کی خاطر کچھ بھی کرسکتی تھی۔ اس سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

زیان دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد بوا کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھی۔ جب وہاب کی اچانک آمد ہوئی۔ بوا اور زیان صحن میں بیٹھی تھیں۔ وہاب سیدھا ادھر ہی آیا۔ بہت دن بعد اپنے گوہر مقصود کو دیکھا تھا۔ اس کے روم روم میں سکون و راحت طاقت بن کر دوڑنے لگی۔

"السلام علیکم کیسے ہیں آپ لوگ۔" اس کی چہکتی آواز سے ہی اس کی خوشی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ زیان نے ہلکی آواز میں سلام کا جواب دیا۔ جبکہ بوا گرمجوشی سے اس سے حال احوال پوچھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد بوا اس کی خاطر مدارات کے لیے اٹھ گئیں۔ تب وہاب نے بڑی فرصت سے زیان کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی یہ حرکت زیان سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ زرینہ بیگم نے اسے قبل از وقت ہی وہاب کے ارادوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس لیے وہاب کی نظروں نے اسے بے پناہ غصے سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھی۔ وہاب کو پتا تھا، زیان یہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جائے گی اور پھر اس کے جانے کے بعد ہی باہر نکلے گی۔ اس کے لیے اس نے کمال جرات سے کام لیتے ہوئے اچانک اپنا ایک بازو آگے کر دیا جیسے اسے جانے سے روکنا چاہتا ہو۔

"یہ کیا ہے؟" وہ کڑوے لہجے میں بولی۔

"تمہیں گھر آئے مہمان سے ذرا بھی خوش اخلاقی برتنا نہیں آتی۔" وہاب اس کا تپا تپا چہرہ دیکھتے ہوئے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ سامنے سٹنگ روم میں بیٹھی زرینہ نے گلاس ونڈو سے یہ منظر پوری وضاحت کے ساتھ دیکھا۔ نفرت میں ڈوبی مسکراہٹ ان کے لبوں پہ آئی۔ زیان کو جلدی یہاں سے بھگانا پڑے گا۔ ورنہ وہاب جھگڑے کھڑے کر سکتا ہے۔ وہاب کے چہرے کے والہانہ تاثرات نوٹ کرتے ہوئے زرینہ کے دل میں اس خیال نے جڑ مضبوط کر لی۔

☼ ☼ ☼

بہت زوردار طوفان تھا ہوا کے بہت تیز جھکڑ چل رہے تھے۔ بند دروازوں اور کھڑکیوں کے باوجود ہوا کی زوردار سائیں سائیں کی آواز اندر کمروں تک آ رہی تھی۔ عنیزہ ایک کونے میں سکڑی سمٹی خوف زدہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ حویلی میں کام کرنے والی ایک نوکرانی ان کے پاس تھی۔ ارسلان باہر زمینوں پہ ڈیرے کی طرف تھے۔ وہیں سے وہ اپنے ایک دوست کی دعوت پہ اس کے گھر چلے گئے تھے۔ سر شام سے ہی موسم کے تیور بدلے تھے، پہلے آہستہ آہستہ ہوا چلنا شروع ہوئی، پھر اس نے زوردار طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ عنیزہ نے فوراً" حویلی کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کروائیں۔

باہر سے زوردار آواز آئی تھی، شاید کوئی درخت ٹوٹ کر گرا تھا۔ عنیزہ نے سہم کر بند دروازے کی طرف دیکھا، جیسے طوفان دروازے سے اندر کا رخ کر لے گا۔ نوکرانی اپنی مالکن کے خوف کو بہت اچھی طرح محسوس کر رہی تھی اور اسے ہمدردی بھی تھی، کیونکہ جب بھی آندھی یا طوفان آتا عنیزہ کمرے میں بند ہو جاتیں۔

اچانک ہی لائٹ چلی گئی اور گھپ اندھیرا چھا گیا۔ کھڑکیوں پہ پہلے ہی بھاری پردے پڑے تھے۔ رہی سہی کسر لائٹ نے پوری کر دی۔ نوکرانی نے اٹھ کر ایمرجنسی ٹارچ آن کی۔ تب تک باہر موجود ملازم جنریٹر آن کرنے کی تیاری میں جت گئے۔ چند منٹ بعد ہی جنریٹر کے چلنے سے حویلی پھر سے جگمگ کرنے لگی۔

عنیزہ اپنے ماضی میں پہنچ گئیں۔ یہاں سے بہت دور بہت سال پہلے کا ایک منظر، جن کے بند دروازوں پہ رہ رہ کے دستک دے رہا تھا۔

اس کھلے کھلے برآمدے والے گھر میں ایسی ہی ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ بہت تیز طوفان تھا۔ وہ اپنے سامنے پڑے ننھے منے سے وجود کو پریشان نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ جسے طوفان یا تیز ہواؤں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ عنیزہ کے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔ وہ مضبوط

تنومند ہاتھ' چھینا جھپٹی' چیخ و پکار' آنسو' آہیں پھر لمبی خاموشی۔ دروازے پہ پھر سے دستک ہو رہی تھی مگر یہ ماضی نہیں تھا۔ عنیزہ چونک کر حال میں آئیں۔ نوکرانی دروازہ کھول چکی تھی۔ آنے والے ملک ارسلان تھے۔ عنیزہ نے سکون کی سانس لی۔ کم سے کم ملک ارسلان اس کی زندگی میں طوفان لانے والے نہیں تھے۔

☼ ☼ ☼

بند کھڑکی کے شیشے سے چہرہ لگائے وہ باہر دیکھ رہی تھی' جہاں تیز ہوا کی شدت سے ہر چیز پھڑپھڑا رہی تھی۔ درخت زوردار طریقے سے ہل رہے تھے۔ بند دروازوں کی دھمک سے عجیب سی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ زرینہ بیگم اور سب اپنے اپنے کمروں میں دبک گئے تھے۔ وہ طوفان اور آندھی سے بہت ڈرتی تھیں۔ یہ ہی حال بوا کا تھا۔ موسم کے باغی تیور دیکھتے ہوئے انہوں نے تسبیح اٹھا کر استغفار کا ورد شروع کر دیا تھا۔ وہ اس طوفان کو دیکھتے ہوئے اس کی شدت سے ڈر گئی تھیں۔ ذیان کو تیز ہوا اس کی شدت اور طوفان سے ذرہ بھر بھی ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ پوری دلچسپی سے ہوا کو مختلف چیزوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھ رہی تھی۔ پر بوا کو چین نہیں آ رہا تھا۔ تسبیح اٹھائے ہانپتے کانپتے اس کے پاس پہنچ گئیں۔ سب سے پہلے کچھ پڑھ کر اس پہ پھونک ماری۔

"تم یہاں کھڑکی کے پاس کیوں کھڑی ہو؟ جاؤ' وہاں جا کر بیٹھو۔" انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں بوا' یہاں کیا ہے' طوفان سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اس نے ہنس کر بے نیازی دکھائی۔

"تمہیں نہیں پتا' میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ طوفان میں بہت سی بلائیں بھی آتی ہیں ہوا کے ساتھ۔"

"بوا ایسا کچھ بھی نہیں ہے' یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے یہ۔" اس نے ہنس کر بات ٹالی۔ بوا اسے پریشانی سے دیکھ کر رہ گئیں۔

"بہت سال بعد آج پھر ویسا ہی طوفان دیکھ رہی ہوں۔ اللہ خیر کرے۔" بوا کا ہاتھ اپنے سینے پہ تھا۔

"کیا بہت پہلے بھی ایسا طوفان آیا تھا؟" وہ دلچسپی سے بولی۔

"ہاں ایسا ہی ہولناک وحشت ناک طوفان تھا وہ۔"

"میں تب کہاں تھی' مجھے کیوں نہیں پتا اس طوفان کا؟؟" اس کے لبوں پہ ڈھیروں سوال مچل رہے تھے۔

"تب تم چھوٹی سی تھی' اتنی سی۔ تمہیں طوفان کا کیسے پتا چلتا۔" بوا نے بمشکل جتن کر کے آنکھوں میں چھلکنے والی نمی کو روکا۔ ذیان پھر سے کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ بوا نے شکر ادا کیا' ورنہ اس کے مزید سوالوں کا جواب دینا نہایت کٹھن ہوتا۔

☼ ☼ ☼

روبینہ' زرینہ سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔ زرینہ ہمیشہ کی طرح اپنے دکھڑے رو رہی تھیں۔ آدھے گھنٹے سے وہ مسلسل ذیان کے موضوع سے چپکی ہوئی تھی۔ کافی دیر بعد وہ زرینہ سے بات کر کے فارغ ہوئیں تو وہاب کو غور سے اپنی طرف دیکھتے پایا۔

"امی آج کل خالہ آپ سے کچھ زیادہ ہی قریب نہیں ہو گئی ہیں۔" وہ استفسار کر رہا تھا۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟؟" روبینہ نے پوچھا۔

"آج کل جب دیکھو آپ ان ہی کے ساتھ فون پہ بات کر رہی ہوتی ہیں۔ ویسے ایک لحاظ سے اچھا ہی ہے۔ بہت جلد آپ دونوں بہنیں ایک اور رشتے میں منسلک ہو جائیں گی۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ روبینہ فوراً اس کی بات کی تہ میں پہنچ گئیں۔

"یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو وہاب۔" بیٹے کی بات پہ ان کے دل کو کچھ ہوا مگر اسے سمجھانا بھی ضروری تھا۔

"ہاں یہ خواب نہیں ہیں' مجھے خوابوں کو حقیقت میں کیسے بدلنا ہے' مجھے اچھی طرح اس کا علم ہے۔ آپ زرینہ خالہ کے گھر جانے کی تیاری کر لیں۔ بہت جلدی آپ کو میرا رشتہ مانگنے جانا ہے۔" اس کے لبوں پہ پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ روبینہ سر پکڑ کر

بیٹھ گئیں۔ وہ پھر تو کسی صورت بھی پیچھے ہٹنے یا ان کی ماننے والا نہیں لگ رہا تھا۔

✿ ✿ ✿

احمد سیال زندگی میں پہلی مرتبہ سخت غصے میں تھے۔ انہوں نے رنم کو بہت بار سمجھایا' لیکن وہ ماننے میں نہیں آرہی تھی۔ انہیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی فضول سی ضد چھوڑنے کے لیے تیار کیوں نہیں ہے۔ تھک ہار کر وہ رنم کے علم میں لائے بغیر راعنہ اور شہریار سے ملے۔ احمد سیال کی پریشانی کی وجہ جان کر وہ دونوں خود بھی فکر مند ہوگئے۔ راعنہ نے تو یونی ورسٹی میں رنم کو جا پکڑا۔ کچھ دن سے وہ بے حد مضطرب اور تھکی تھکی نظر آرہی تھی۔ اکثر کلاسز بنک کرتی' جب دیکھو گراؤنڈ میں بیٹھی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی پائی جاتی۔

"رنم کیا بات ہے' کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔ مجھے فیل ہو رہا ہے تم بہت اپ سیٹ ہو؟" راعنہ نے کمال ہوشیاری سے بات شروع کی۔

"ہاں اپ سیٹ ہوں۔" اس نے فوراً" اقرار کیا اور رکے بغیر سب بتاتی چلی گئی۔

"پاپا میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔ مجھے صرف شہریار بھائی جیسا لائف پارٹنر چاہیے جو کوئی ڈیمانڈ نہ کرے۔"

"فرض کیا کوئی ایسا شخص مل بھی جاتا ہے جو بغیر کسی ڈیمانڈ کے تم سے شادی کرلے اور پھر کچھ عرصے بعد سب چیزوں کا مطالبہ کرے' کیونکہ تمہاری احمقانہ ضد تمہیں کسی بھی بڑے نقصان سے دوچار کرسکتی ہے۔"

"مجھے نقصان ہوگا کسی اور کو تو نہیں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"رنم تمہاری ضد کا ہر جگہ چرچا ہے۔ بہت سے نوجوان لالچ میں آکر تم سے شادی کرنے پہ تیار ہوجائیں گے کہ جی ہمیں کچھ نہیں چاہیے' بعد میں جب تم نکاح کے بندھن میں جکڑی جاؤ گی تو تمہارا شوہر زبردستی دھونس' دھمکی' بلیک میلنگ کے ذریعے تمہاری سب دولت' جائیداد اپنے نام کرواسکتا ہے۔ تب تم کیا کروگی۔ انکل سیال کا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے' وہ اپنی خوشی سے تمہیں شادی کے موقع پہ ہر چیز دینا چاہتے ہیں۔ تم مان جاؤ۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر شخص ہی لالچی ہو۔ انکل کسی ایسے ویسے نوجوان سے تمہاری شادی نہیں کریں گے۔" راعنہ نے اسے ایک اور پہلو سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو کوئی ایسا ویسا نوجوان مجھ سے میرے پاپا کی دولت کے بغیر شادی کیوں نہیں کرلیتا۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کیا' جیسا مجھے چاہیے۔" ایک عجیب سی حسرت پنہاں تھی اس کے لہجے میں۔

"مائی ڈیئر فرینڈ یہ لائف ہے' کوئی فلم یا ناول کی کہانی نہیں ہے۔"

"تمہاری شادی بھی تو شہریار بھائی سے ہوئی ہے نا۔" وہ چمک کر بولی۔

"شہریار میرے کزن ہیں۔ بچپن سے دیکھے بھالے ہیں' پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں شروع سے ہی۔ میں نے ان کی محبت میں سب کچھ قبول کیا ہے' کیونکہ شہریار میری فیملی سے کسی قسم کی فائنینشل سپورٹ حاصل کرکے زیر بار نہیں ہونا چاہتے' انہیں اللہ کی ذات پہ' محنت پہ بھروسا ہے۔" راعنہ نے اسے حقیقت بتائی۔

"تمہاری فیملی میں آپس میں بہت سے Conflicts ہیں' جس کی وجہ سے شہریار نے یہ سب کہا۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتی' بس اتنا کہوں گی اپنی ضد سے باز آجاؤ۔" رنم جواب میں کندھے جھٹک کر رہ گئی۔

✿ ✿ ✿

بہت دن بعد رنم اور احمد سیال اکٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ "تم نے مجھے کوئی جواب ہی نہیں دیا ملک جہانگیر کی فیملی کے بارے میں۔" احمد سیال نے کھانے کے درمیان بات شروع کی۔ رنم نے حیرانی سے انہیں دیکھا' جیسے اسے پاپا سے اس سوال کی توقع نہ ہو۔

"میں کیا جواب دوں۔" وہ ناراض لہجے میں بولی۔
"ابھی وہ آرہے ہیں ہم خود کو تیار کرلو اس کے بعد خواجہ صاحب ہیں وہ بھی تمہارے سلسلے میں آنا چاہ رہے ہیں۔" انہوں نے اسے انفارم کیا۔
"پپا مجھے نہ تو ملک جہانگیر کی فیملی میں کوئی انٹرسٹ ہے اور نہ کسی خواجہ صاحب میں۔ اگر آپ میری بات مانتے ہیں تو میں اس بارے میں سوچوں گی۔" نہ چاہنے کے باوجود بھی رنم کے لہجے میں تیزی آگئی۔
"میں تم پہ کوئی اپنی مرضی نہیں ٹھونس رہا صرف یہ چاہ رہا ہوں کہ مہمانوں سے مل لو دیکھ لو۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہوگا۔" احمد سیال نرم لہجے میں بول رہے تھے۔
"پاپا۔ آپ چاہتے ہیں کہ میری شادی ہوجائے۔ پاپا میں شادی کروں گی لیکن میں آپ سے کچھ بھی نہیں لوں گی۔ یہ بات آپ ان لوگوں کو بھی بتادیں جو ہمارے گھر آرہے ہیں۔ اگر وہ لوگ بغیر کسی جہیز کے مجھے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔" رنم کا انداز قطعی بے لچک اور ٹھوس تھا۔ وہ ایک انچ بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھی۔
"رنم کیوں بچوں والی باتیں کررہی ہو۔ سب لوگ ہنسیں گے مجھ پہ۔" احمد سیال کی قوت برداشت آہستہ آہستہ ختم ہورہی تھی۔
"پاپا آپ کو لوگ عزیز ہیں یا اپنی اکلوتی اولاد؟" وہ انہیں جذباتی طور پہ بلیک میل کرنے پہ اتر آئی۔
"مجھے تم پوری دنیا سے عزیز ہو مگر تمہاری خواہش ناقابل قبول ہے۔" وہ بے چارگی سے بولے۔
"پاپا آپ میری شادی کسی مڈل کلاس غریب خاندان میں تو کریں گے نہیں۔ جہاں بھی کریں گے وہ لوگ ہمارے ہم پلہ ہوں گے۔ ان کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو ہمارے پاس ہے۔ پھر میں کیوں آپ سے کچھ لوں۔" رنم اپنی بات پہ اڑی ہوئی تھی۔
"رنم میں پاگل ہوجاؤں گا۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔"
"پاپا آپ میری بات سے اتفاق کرتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ۔۔۔"
"ورنہ کیا بولو تم۔" احمد سیال نے غصے میں اس کی بات کاٹ دی۔
"پاپا میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔" اس نے تیزی سے جواب دیا۔ وہ کھانا چھوڑ کر جاچکی تھی۔ احمد سیال ناسمجھی کے عالم میں ابھی تک ادھر ہی دیکھ رہے تھے جہاں سے وہ باہر گئی تھی۔ ان کے چہرے پہ بے پناہ پریشانی تھی۔

☆ ☆ ☆

بہت تیز ہوا چل رہی تھی۔ رنم بار بار چہرے پہ آجانے والے بالوں کو سمیٹ رہی تھی۔ وہ فراز کے ساتھ پارک میں بیٹھی تھی۔ اسی نے فراز کو کال کرکے پارک میں بلوایا تھا۔ وہ سب کام چھوڑ کر چلا آیا۔ کیونکہ نہ آنے کی صورت میں رنم سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ وہ ہر الٹی سیدھی بات سوچ سکتی تھی۔
اب وہ اس کے سامنے بیٹھا اس کا پریشان چہرہ اور تاثرات دیکھ رہا تھا۔ "تم میرے بیسٹ فرینڈ ہو پر تم بھی میرے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔" اس کا لہجہ رونے والا ہورہا تھا۔

"میں تمہارے لیے ایک ایسا نوجوان ڈھونڈ سکتا ہوں جو تم سے بغیر جہیز کے شادی کر سکے۔" اس نے قصداً" ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔

"میں یہاں پریشان بیٹھی ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"

"مذاق کون کر رہا ہے۔"

"فراز پاپا نے مجھ پہ غصہ کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ لوگ آرہے ہیں تم ملو اور فیصلہ کرو۔"

"ہاں تو مل لینا۔" اس نے روانی میں کہا تو رنم نے اسے گھور کے دیکھا۔

"میں نے پاپا سے بول دیا ہے کہ اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں ساری عمر شادی نہیں کروں گی۔"

"تم نے اپنے پاپا سے بول دیا۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بول دیا ہے۔" اس نے تصدیق کی۔

"تم پاپا کی بات مان لو۔" اس نے خلوص دل سے ایک بار پھر پرانا مشورہ دہرایا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" وہ پاؤں پٹختی اٹھ کھڑی ہوئی۔ فراز سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ راکنگ چیئر پہ بیٹھی آنکھیں موندے ہلکے ہلکے جھول رہی تھی۔ اسے آج فراز پہ بے پناہ غصہ تھا۔ وہ پارک سے نکل آئی تھی، بعد میں اس نے رنم کو کتنی بار کال کی پر اس نے غصے میں ریسیو نہیں کی۔

اچانک دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ "یس کم آن۔"

اس نے آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ آنے والے احمد سیال تھے۔ رنم نے انہیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ بھی اپنے انداز سے بیٹھنے والے نہیں لگ رہے تھے۔

"میں نے کبھی تم پہ اپنی مرضی نہیں ٹھونسی ہے' لیکن مجبوراً" یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ ملک جہانگیر کی فیملی کو بلوا رہا ہوں میں۔ بس یہ ہی بتانے کے لیے آیا تھا۔" احمد سیال کا لہجہ بے لچک اور سخت تھا۔ اپنی بات پوری کر کے وہ جا چکے تھے۔ جھولتی راکنگ چیئر اب ساکت تھی۔

"پاپا آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں بھی برداشت نہیں کروں گی۔ تمام عمر آپ نے میرے منہ سے نکلی ایک ایک بات پوری کی ہے اور اب چھوٹی سی بات ماننے میں آپ کو اعتراض ہے۔ کیا شہریار بھائی جیسا ایک ہی مرد تھا دنیا میں۔ اگر ایسا ہے تو میں شادی ہی نہیں کروں گی۔" رنم غصے کی انتہائی حد پہ جا کر سوچ رہی تھی۔ احمد سیال نے اسے لاڈ پیار سے پالا تھا۔ اس لیے یہ سب اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے لمحوں میں فیصلہ کیا۔ ویسے بھی فیصلے کرنے میں وہ دیر نہیں لگاتی تھی۔ جذباتی تو شروع سے ہی تھی۔ اس وقت بھی شدید غصے اور جذبات کے زیر اثر اس نے انتہائی فیصلہ کیا تھا۔ وہ اب الماری کے سامنے کھڑی تھی۔ نچلے خانے میں کچھ کیش پڑا تھا۔ ساتھ گولڈ کی جیولری تھی۔ اس نے دونوں چیزیں اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالیں۔ پھر کپڑوں کی باری آئی۔ تین چار جوڑے اس نے ایک الگ چھوٹے سے بیگ میں ڈالے جسے آسانی سے اٹھایا جا سکتا تھا۔ دوسرے دراز سے اس کا اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈ بھی مل گیا۔ وہ بھی اس نے ہینڈ بیگ کے چھوٹی پاکٹ میں ڈال دیے۔ اس دوران اس کی آنکھیں دھواں دھار برستی رہیں۔

غصے کے عالم میں اس نے اچانک گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس پہ عمل کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ جانے سے پہلے اس نے آخری مرتبہ اپنے کمرے پہ نظر دوڑائی۔ سائیڈ ٹیبل پہ فوٹو فریم میں اس کی اور پاپا کی ایک یادگار فوٹو سجی ہوئی تھی۔ اس نے دھندلائی نگاہوں سے فوٹو کو آخری بار دیکھا۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆